ماھنامہ
اشاعۃ

ذوالحجہ ۱۴۳۴ھ
نومبر ۲۰۱۳ء

حضرو

- کیا تراویح کے بارے میں ابن ہمام حنفی کا قول شاذ ہے؟
- غلام رسول سعیدی: ایک موضوع روایت اور قربانی کا وجوب؟
- اُصولِ حدیث اور بریلویت
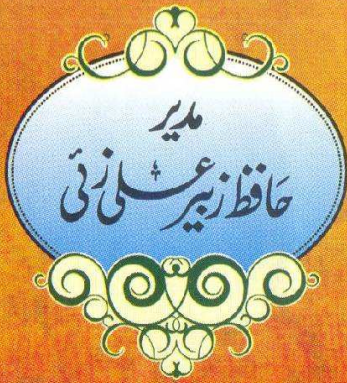
مکتبۃ الحدیث
حضرو، اٹک: پاکستان

یا اللہ! استاذ محترم کو صحت کاملہ عطا فرما۔ آمین

تقریباً ڈیڑھ ماہ سے فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ شدید بیمار ہیں اور شفا انٹرنیشنل ہسپتال اسلام آباد میں زیرِ علاج ہیں۔ اس دوران آپ کی صحت اور بیماری میں نشیب و فراز رہا، کبھی بیماری کی شدت بڑھ جاتی ہے تو کبھی صحت یابی کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں۔

ہم اللہ کے حضور دعا گو ہیں کہ ہمارے استاذ محترم کو شفائے عاجلہ کاملہ عطا فرمائے، آپ کا سایۂ عاطفت ہم پر قائم رہے، علم و آگہی کا یہ آفتاب سدا چمکتا رہے اور ان کے ذریعے سے جہالت کی اندھیر نگریوں میں اُجالا ہوتا رہے۔ آمین

ہم یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ شاید ہی کوئی علاقہ و شہر ایسا ہو جہاں شیخ محترم حفظہ اللہ کی صحت یابی کے لئے دعائیں نہ ہو رہی ہوں اور دعاؤں کا یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہنا چاہیے، لہٰذا تمام اہلِ اسلام سے پُر زور اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنی دعاؤں میں محدث العصر حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کو ضرور یاد رکھیں۔

ہم اُن علمائے کرام کے بھی شکر گزار ہیں جنھوں نے ہسپتال میں آکر تیمارداری کے ساتھ ساتھ دعاؤں کی صورت میں دلی ہمدردی کا اظہار کیا۔ جزاھم اللہ خیراً

تنبیہ: بعض شرپسندوں کی طرف سے ایسی افواہ اُڑائی گئی تھی کہ اسے لکھتے ہوئے بھی ہاتھ کانپتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت دے اور ہمارے شیخ حفظہ اللہ کو حاسدوں کے حسد، شریروں کے شر اور معاندین کے عناد سے محفوظ رکھے اور انھیں صحت و عافیت والی لمبی عمر عطا فرمائے۔ آمین

واضح رہے کہ کسی سنائی بات بغیر تحقیق کے دوسروں تک پہنچانا مذموم عمل ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات آگے بیان کر دے۔'' (صحیح مسلم: ۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(111)

ماہنامہ

اشاعۃ الحدیث

حضرو

جلد: 10 | ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ نومبر ۲۰۱۲ء | شمارہ: 11

اس شمارے میں

قیمت

فی شمارہ: 25 روپے

سالانہ: 400 روپے

مع محصول ڈاک پاکستان

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

حافظ شیر محمد

0300-5286783

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

0301-8566571

حافظ زبیر علی زئی

اضواء المصابیح

اضواء المصابیح فی تحقیق مشکوۃ المصابیح

الفصل الثاني

٤٤١: عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الرَّجُلِ يَجِدُ الْبَلَلَ وَلَا يَذْكُرُ احْتِلَامًا، قَالَ: ((يَغْتَسِلُ)) وَعَنِ الرَّجُلِ الَّذِيْ يَرَى أَنَّهُ قَدِ احْتَلَمَ وَلَا يَجِدُ بَلَلًا، قَالَ: ((لَا غُسْلَ عَلَيْهِ)) قَالَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ: هَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ تَرَى ذَالِكَ غُسْلٌ؟ قَالَ ((نَعَمْ، إِنَّ النِّسَاءَ شَقَائِقُ الرِّجَالِ)).

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَأَبُوْدَاوُدَ وَرَوَى الدَّارِمِيُّ، وَابْنُ مَاجَهَ، إِلٰى قَوْلِهِ: ((لَا غُسْلَ عَلَيْهِ)).

عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو (اپنے کپڑوں یا جسم پر تری) نمی کا نشان دیکھتا ہے اور اسے احتلام (ہونا) یاد نہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ غسل کرے۔

اور آپ سے ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو سمجھے کہ اسے احتلام ہوا ہے اور اس نے نمی کا نشان نہیں پایا؟ آپ نے فرمایا: اس پر غسل (واجب) نہیں۔

اُم سلیم (رضی اللہ عنہا) نے کہا: اگر عورت ایسا دیکھے تو کیا اس پر بھی غسل ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، عورتیں (طبیعت وخلقت میں) مردوں کی طرح ہیں۔ اسے ترمذی (۱۱۳، واعلہ) اور ابوداود (۲۳۶) نے روایت کیا ہے۔ دارمی (۱/ ۱۹۵۔ ۱۹۶ ح ۷۷۱) اور ابن ماجہ (۶۱۲) نے اسے ''اس پر غسل (واجب) نہیں۔'' تک روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

وجۂ ضعف یہ ہے کہ اس سند کے ایک بنیادی راوی ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن عمر بن

حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب القرشی العدوی العمری المدنی جمہور محدثین کے نزدیک (حافظے کی وجہ سے) ضعیف ہیں۔

عبداللہ بن عمر العمری پر درج ذیل محدثین وعلماء کی جرح ثابت ہے:

۱: بخاری (ذکرہ فی کتاب الضعفاء:۱۸۸)

۲: ابو حاتم الرازی (الجرح والتعدیل ۵/۱۱۰)

۳: نسائی (کتاب الضعفاء:۳۲۵)

۴: دارقطنی (سوالات البرقانی:۵۸۳)

۵: ابن حبان (کتاب المجروحین ۲/۷)

۶: ابوزرعۃ الرازی (ذکرہ فی کتاب الضعفاء:۱۹۷)

۷: ابن الجوزی (ذکرہ فی کتاب الضعفاء ۲/۱۳۳ ت ۲۰۸۰)
نیز دیکھئے التحقیق فی اختلاف الحدیث (۱/۲۱۸ تحت ح ۳۶۸)

۸: عقیلی (ذکرہ فی کتاب الضعفاء ۲/۲۸۰)

۹: بیہقی (السنن الکبریٰ ۱/۳۲۵ قال: کثیر الوہم، معرفۃ السنن والآثار ۵/۱۴۰، قال: غیر قوی۔)

۱۰: نووی (المجموع شرح المہذب ۲/۱۴۲)

۱۱: ابن حجر العسقلانی (تقریب التہذیب:۳۴۸۹)
نیز دیکھئے فتح الباری (۲/۱۳۲ تحت ح ۶۲۵، دوسرا نسخہ ۲/۳۸۲)

۱۲: ابن کثیر الدمشقی (التفسیر ۲/۵۹۸ ح ۲۷۳۹، سورۃ المائدہ:۸۹)

۱۳: بوصیری (مصباح الزجاجۃ:۵۳۸، زوائد سنن ابن ماجہ:۱۵۹۰)

۱۴: عینی حنفی (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ۹/۱۷ قبل ح ۱۴۸۳)

۱۵: محمد بن طاہر بن علی المقدسی، ابن القیسرانی (تذکرۃ الموضوعات ص ۴۲ ح ۱۸۴)

۱۶: ابن الترکمانی حنفی (الجوہر النقی ۲/۳۷۳)

۱۷: ابن حزم (المحلی ۷/۳۷ مسألۃ ۸۱۱)

۱۸: ابن عبدالہادی (التنقیح ۲۱۸/۱)

ان پر درج ذیل محدثین سے جرح مروی ہے، لیکن باسند صحیح ثابت نہیں:

۱: علی بن المدینی

۲: صالح بن محمد البغدادی

۳: یحییٰ بن سعید القطان

آپ سے صرف یہ ثابت ہے کہ عبداللہ العمری سے حدیث بیان نہیں کرتے تھے۔

۴: ابو احمد الحاکم

۵: ابن سعد

درج ذیل علماء کے اقوال توثیق و جرح میں اضطراب وتعارض ہے:

۱: ترمذی (مثلاً دیکھئے سنن الترمذی: ۱۸۹)

۲: احمد بن حنبل

۳: یحییٰ بن معین

۴: ابن شاہین (ذکرہ فی الثقات وذکرہ فی الضعفاء)

نیز دیکھئے ذکر من اختلف العلماء ونقاد الحدیث فیہ لابن شاہین (ص ۶۴-۶۵)

۵: ابن خزیمہ (عین ممکن ہے کہ ان کے نزدیک جرح راجح ہو)

یہ اقوال تعارض واضطراب کی وجہ سے ساقط ہیں۔

درج ذیل محدثین وعلماء سے عبداللہ بن عمر العمری کی توثیق ثابت یا مروی ہے اور بعض سے ایک ہی عبارت میں توثیق وجرح اکٹھی بھی منقول ہے:

۱: مسلم (صحیح مسلم: ۷)

۲: عبدالرحمٰن بن مہدی (روایت کرتے تھے)

۳: ابن عدی

۴: احمد بن یونس

۵: بزار
۶: خلیلی
۷: حاکم
۸: ذہبی (انھوں نے المہذب فی اختصار السنن الکبیر ۵/۲۴۹۶ ح ۱۰۳۰۵، میں عبداللہ العمری کو کثیر الوہم بھی قرار دیا ہے، لہٰذا ان کی توثیق ان کی جرح سے متعارض ہے۔)
۹: ہیثمی
۱۰: عجلی
۱۱: احمد بن صالح المصری
۱۲: یعقوب بن شیبہ (قال کما نقل صاحب تہذیب التہذیب: ثقہ صدوق، فی حدیثہ اضطراب) وحسن حدیثہ۔ ان سے جرح بھی مروی ہے۔
۱۳: ابن الجارود (روی لہ فی المنتقیٰ: ۸۹)

اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ عبداللہ بن عمر العمری جمہور کے نزدیک مجروح ہونے کی وجہ سے ضعیف ہیں۔

☆ امام یحییٰ بن معین نے عبداللہ بن عمر العمری کی نافع سے روایت کو ''صالح'' قرار دیا ہے اور بعض محدثین نے اس سلسلۂ سند کی تصحیح (وتحسین) کی، لہٰذا راقم الحروف کے نزدیک العمری مذکور کی نافع سے روایت حسن ہوتی ہے۔ (دیکھئے تحقیقی مقالات ۳/۱۹۷)

مشکوٰۃ المصابیح والی روایت مذکورہ نافع سے نہیں، لہٰذا بلحاظِ سند ضعیف ہے۔

اس حدیث کا متن تین اہم باتوں پر مشتمل ہے:

۱: مرد کو احتلام ہو تو غسل واجب یعنی فرض ہے۔
۲: عورت کو بھی احتلام ہو تو غسل واجب یعنی فرض ہے۔
۳: عورتیں شقائق الرجال (طبیعت وخلقت میں مردوں کی طرح) ہیں۔

الماء من الماء وغیرہ دلائل اور اجماعِ اُمت کی رُو سے احتلام کے بعد مرد پر یہ واجب ہے کہ

غسل کرے اور عورت پر احتلام کے بعد غسل کا وجوب صحیح مسلم (۳۱۳ [۷۱۲]) وغیرہ کی احادیث سے ثابت ہے۔

تیسرے فقرے ''النساء شقائق الرجال'' کے دو شواہد ہیں:

۱: ابو المغیرہ عبدالقدوس بن الحجاج الخولانی الحمصی (ثقہ بالاجماع) عن الاوزاعی عن اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ الانصاری عن جدتہ ام سلیم رضی اللہ عنہا (مسند احمد ۶/۳۷۷ ح ۲۷۱۱۸)

یہ سند منقطع (ضعیف) ہے۔ (دیکھئے علل الحدیث لابن ابی حاتم: ۱۶۳، مجمع الزوائد للہیثمی ۱/۲۶۸)

۲: محمد بن کثیر بن ابی عطاء الصنعانی المصیصی عن الاوزاعی عن اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ عن انس بہ نحو المعنی

(سنن الدارمی: ۷۷۰، دوسرا نسخہ: ۷۹۱، صحیح ابی عوانہ ۱/۲۹۰ ح ۶۵۰، السلسلۃ الصحیحۃ للالبانی ۶/۸۶۱ ح ۲۸۶۳)

محمد بن کثیر المصیصی راجح تحقیق میں جمہور کے نزدیک ضعیف راوی ہیں، لہٰذا یہ سند بھی ضعیف ہے۔

شیخ البانی وغیرہ کے اصول سے محمد بن کثیر الصنعانی نے اپنی سند میں ابو المغیرہ (ثقہ) کی مخالفت کر رکھی ہے، لہٰذا یہ روایت ان کے منہج پر منکر ہے۔

خود علامہ البانی رحمہ اللہ نے محمد بن کثیر کو لا یحتج بہ وغیرہ عبارات سے مجروح قرار دیا ہے۔

(دیکھئے الضعیفۃ ۳/۱۶۳ ح ۱۰۵۲، ۱۲/۶۷ ح ۵۵۴۳)

خلاصۃ التحقیق یہ ہے کہ شقائق الرجال والی روایت اپنے تمام شواہد کے ساتھ ضعیف و مردود ہی ہے۔ واللہ اعلم (۶/ستمبر ۲۰۱۳ء)

اضواء المصابیح فی تحقیق مشکوٰۃ المصابیح کی تعدیلات جدیدہ

۳۰۶۹) إسنادہ ضعیف (کمپوزنگ کی غلطی سے اسنادہ حسن چھپ گیا تھا)

۵۹۹۱) إسنادہ حسن (سابقہ حکم: اسنادہ ضعیف) صالح بن عبدالکبیر کی توثیق مل گئی ہے۔

۶۱۵۳) سندہ ضعیف (سابقہ حکم: صحیح) دیکھئے انوار الصحیفہ ص ۱۳۱

صرف ہفتے والے دن کے نفلی روزے کا حکم؟

سوال صرف ہفتے والے دن کے نفلی روزے کا کیا حکم ہے؟

(نوید شوکت، ڈربی۔ برطانیہ)

الجواب سیدنا عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ اور ان کی بہن صماء المازنیہ وغیرہما سے مروی ایک حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

ہفتے کے دن کا روزہ نہ رکھو سوائے اس دن کے جس میں تم پر روزہ فرض ہو اور اگر تمھیں صرف انگور کی ٹہنی کا چھلکا یا کسی درخت کی لکڑی ہی (کھانے کے لئے) ملے تو اسے چبالو۔ (سنن ابی داود: ۲۴۲۱، سنن ترمذی: ۷۴۴ وقال: "حسن" سنن ابن ماجہ: ۱۷۲۶)

اس حدیث کی سند حسن لذاتہ ہے اور اسے ابن خزیمہ (۲۱۶۴) ابن حبان (بسند آخر: ۳۶۰۶) حاکم (۱/۴۳۵ ح ۱۵۹۲) اور ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے، لیکن امام ابوداود نے فرمایا: " هذا الحدیث منسوخ " یہ حدیث منسوخ ہے۔

کئی علماء نے اس دعویٰ نسخ کا انکار کیا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ وفات سے پہلے "یوم السبت والأحد" ہفتے اور اتوار کا روزہ رکھتے تھے اور آپ نے فرمایا: یہ مشرکین (یہود و نصاریٰ) کی عید کے دن ہیں اور میں اُن کی مخالفت کرنا چاہتا ہوں۔ (صحیح ابن خزیمہ: ۲۱۶۷، صحیح ابن حبان: ۳۶۰۷ [۳۶۱۶])

اس حدیث کی سند حسن لذاتہ ہے اور اسے ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم (۱/۴۳۶ ح ۱۵۹۳) اور ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے۔

اس حدیث کے راوی عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب کو درج ذیل محدثین

نے ثقہ وصدوق قرار دیا ہے:

۱: دارقطنی قال: ثقة (سوالات البرقانی:۸۵ ملخصاً)

۲: ابن خزیمہ (بتصحیح حدیثہ)

۳: ابن حبان (ایضاً)

۴: حاکم (ایضاً)

۵: ذہبی (ایضاً)

وقال فی الکاشف (۱۱۴/۲): "ثقة"

محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب کو درج ذیل محدثین نے ثقہ وصدوق قرار دیا:

۱: ابن حبان (ذکرہ فی الثقات)

۲: ذہبی، قال فی الکاشف (۷۳/۳): "ثقة"

۳: دارقطنی، قال: ثقة (سوالات البرقانی:۸۵ ملخصاً)

۴: ابن خزیمہ (بتصحیح حدیثہ)

۵: حاکم (ایضاً)

۶: ابن حجر العسقلانی، قال: صدوق (تقریب التہذیب:۶۱۷۰)

باقی سند بالکل صحیح ہے۔

اس حدیث کو شیخ البانی کا محمد بن عمر بن علی کی وجہ سے ضعیف قرار دینا (الضعیفة: ۱۰۹۹) بہت ہی عجیب وغریب اور غلط ہے۔

اس حسن لذاتہ حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ جو شخص اتوار کے دن کا نفلی روزہ رکھنا چاہے تو اس کے لئے ہفتے کے دن کا روزہ رکھنا بھی جائز ہے اور ابن خزیمہ، ابن حبان و ابن شاہین وغیرہم نے یہی مفہوم سمجھا ہے۔

چونکہ واؤ ترتیب کے لئے ضروری نہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص صرف ہفتہ یا صرف اتوار کا روزہ رکھنا چاہے تو بھی اس حدیث کی رُو سے جائز ہے۔

حاکم نیشاپوری نے اس حدیث کو سابق حدیث کے معارض قرار دیا ہے، لہٰذا معلوم یہی ہوتا ہے کہ وہ اسی دوسری بات کے قائل ہیں۔ واللہ اعلم

محمد بن اسماعیل الامیر الصنعانی نے بھی لکھا ہے: ''و ظاھرہ صوم کل علی الانفراد والاجتماع '' اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ ان دونوں دنوں کا انفرادی اور اجتماعی روزہ رکھنا جائز ہے۔ (سبل السلام ص ۲۷۶ ح ۶۸۳)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ روزہ داود (علیہ السلام) کا روزہ ہے، آپ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔

(صحیح بخاری: ۱۱۳۱، صحیح مسلم: ۱۱۵۹، ملخصاً)

اس حدیث سے صرف ہفتے کے دن روزہ رکھنے کا جواز ثابت ہے، اور بعض علمائے معاصرین نے بھی اس سے ایسا ہی استدلال کیا ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ امام زہری نے ہفتے کے دن کے بارے میں فرمایا: اس کے روزے میں کوئی حرج نہیں۔ (شرح معانی الآثار للطحاوی ۸۱/۲)

اس روایت کی سند دو وجہ سے ضعیف ہے:

۱: طحاوی کے استاد محمد بن حمید بن ہشام کا ثقہ وصدوق ہونا ثابت نہیں۔

۲: عبداللہ بن صالح کاتب اللیث سے صرف وہی روایت صحیح یا حسن ہوتی ہے جو حدیث کے (حذاق) ماہر ثقہ اماموں نے بیان کی ہو اور یہ اُن روایات میں سے نہیں۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بارے میں امام زہری نے فرمایا: یہ حمصی حدیث ہے۔ (المستدرک ۴۳۶/۱)

یہ سند محمد بن اسماعیل بن مہران النیسابوری کے اختلاط کی وجہ سے مشکوک ہے۔

تمام دلائل مذکورہ کا خلاصہ یہ ہے کہ صرف ہفتے کے دن کا روزہ نہ رکھا جائے اور یہی بہتر ہے، تاہم اگر کوئی شخص مخالفتِ یہود وغیرہ کی وجہ سے یہ روزہ رکھ لے تو جائز ہے۔ واللہ اعلم

(۵/ اگست ۲۰۱۳ء)

آیت ﴿اتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ کی تفسیر

سوال سوال یوں ہے کہ ترمذی کی روایت (۳۰۹۵) جس کی سند کچھ اس طرح ہے: **حدثنا الحسین بن یزید الکوفي: حدثنا عبد السلام بن حرب عن غطیف بن أعین عن مصعب بن سعد عن عدي بن حاتم قال: أتیت النبي ﷺ و في عنقي صلیب من ذهب فقال: یاعدي! اطرح عنك هذا الوثن:"**
شیخ صاحب! سوال یہ ہے کہ بعض احباب اس روایت کو صحیح/حسن بتلاتے ہیں۔ کیا شیخ البانی نے اس کو صحیح ترمذی (۳۰۹۵) میں ذکر کیا ہے؟ جبکہ انوار الصحیفہ فی الاحادیث الضعیفہ من السنن الاربعہ صفحہ ۲۸۰ روایت نمبر ۳۰۹۵ میں غطیف کو ضعیف لکھا ہوا دیکھا ہے۔ اس کے ضعف کی کیا وجوہات ہیں؟ اور کیا اس روایت کے کوئی صحیح یا حسن شاہد ہیں؟
اس سلسلے میں ابوالبختری کا قول جو حسن درجے کا ہے جامع بیان العلم وفضلہ میں اس بارے میں کیا لکھا ہے۔ (میں نے سنا ہے کہ یہ روایت حسن ہے، واللہ اعلم) اور اس کی جلد نمبر اور رقم (شمار) نمبر بھی بتایئے اور کیا واقعی وہ سند حسن ہے؟ اس بارے میں تفصیلاً جوابی لفافے میں جواب دیجئے، ان شاءاللہ۔ جزاک اللہ خیراً (سائل: زعیم پشاور)

الجواب آیت ﴿اتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ کی تشریح میں دو روایات ہیں:

۱) مرفوع

سیدنا عدی بن حاتم الطائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور میں نے سونے کی ایک صلیب گردن میں لٹکا رکھی تھی، تو آپ نے فرمایا: اے عدی! اس بت کو اتار پھینکو۔ اور میں نے آپ کو سورۃ التوبۃ کی آیت: ﴿اتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ پڑھتے ہوئے سنا، آپ نے فرمایا: انھوں نے ان کی عبادت نہیں کی لیکن جب وہ کسی چیز کو حلال قرار دیتے تو یہ اسے حلال سمجھتے اور جسے حرام قرار دیتے تو یہ اُسے حرام

سمجھتے تھے۔ (سنن ترمذی: ۳۰۹۵، السنن الکبریٰ للبیہقی ۱۰/۱۱۶، التاریخ الکبیر للبخاری ۷/۱۰۶، المعجم الکبیر للطبرانی ۱۷/۹۲ ح ۲۱۸۔۲۱۹، تفسیر ابن جریر ۵/۸۶۴ ح ۱۶۶۴۰۔۱۶۶۴۱، اور السلسلۃ الصحیحہ ۷/۸۶۱ ح ۳۲۹۳)

اس روایت کی سند میں غطیف بن اعین ضعیف راوی ہے۔

۱: دارقطنی نے اسے الضعفاء والمتروکون (۴۳۰) میں ذکر کیا۔ المتروکین

۲: ابن الجوزی نے اسے الضعفاء والمتروکین (۲/ ۲۴۷ ت ۲۶۸۶) میں ذکر کیا۔

۳: ذہبی نے اسے دیوان الضعفاء والمتروکین میں درج کیا۔ (۲/۲۳۰ ت ۳۳۳۲)

۴: ابن حجر نے فرمایا: ''ضعیف'' (تقریب التہذیب: ۵۳۶۴)

ان کے مقابلے میں ابن حبان نے اسے کتاب الثقات (۷/ ۳۱۱) میں ذکر کیا اور امام ترمذی کا قول مختلف فیہ ہے۔ کئی نسخوں میں صرف غریب کا لفظ ہے۔ (دیکھئے تحفۃ الاشراف ۷/۲۸۴ ت ۹۸۷۷، الاحکام الکبریٰ لعبدالحق الاشبیلی ۴/ ۱۱۷، اور تہذیب الکمال ۶/ ۱۳، وغیرہ)

بعض نسخوں میں حسن غریب کا لفظ ہے۔ اگر اسے ثابت مانا جائے تو یہ دو توثیقیں ہیں جو جمہور کی جرح کے مقابلے میں مرجوح ہیں، لہٰذا یہ راوی ضعیف ہی ہے۔

حافظ ابن حجر نے اس روایت کے دو شواہد ذکر کئے ہیں:

۱: عامر بن سعد عن عدی بن حاتم (الکافی الشاف ۲/۲۶۴)

اس کی سند میں واقدی کذاب ہے اور واقدی تک سند نامعلوم ہے۔

۲: عطاء بن یسار عن عدی بن حاتم (ایضاً) اس کی سند نامعلوم ہے۔

بے سند روایتیں مردود ہوتی ہیں، لہٰذا شیخ البانی کا دوسری سند کے ساتھ ملا کر اسے ''حسن ان شاء اللہ'' قرار دینا عجوبہ ہے۔

۲) موقوف

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا ان لوگوں نے ان احبار و رہبان کی عبادت کی تھی؟ تو انھوں نے فرمایا: نہیں، جب وہ کسی چیز کو حلال قرار دیتے تو یہ اُسے حلال سمجھتے تھے اور جب وہ کسی چیز کو اُن پر حرام قرار دیتے تو یہ اُسے حرام سمجھتے تھے۔

تفسیر عبدالرزاق (۱۰۷۳) تفسیر ابن جریر الطبری (۵/۸۶۵ ح ۱۶۶۴۳) السنن الکبریٰ للبیہقی (۱۰/ ۱۱۶، شعب الایمان: ۹۳۹۴ بلون آخر، دوسرا نسخہ: ۸۹۴۸) جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر (۲/ ۲۱۹ ح ۹۴۹) اور السلسلۃ الصحیحہ (۷/ ۸۶۵)

یہ سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ابوالبختری سعید بن فیروز الطائی کی سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں۔ حافظ علائی نے لکھا ہے: ''**سعيد بن فيروز أبو البختري الطائي كثير الإرسال عن عمر و علي و ابن مسعود و حذيفة وغيرهم رضي الله عنهم.**'' (جامع التحصیل ص ۱۸۳)

شیخ البانی نے بھی اس سند کا مرسل (یعنی منقطع) ہونا تسلیم کیا ہے۔ (حوالہ مذکورہ ص ۸۶۵)

اور یہ معلوم ہے کہ مرسل و منقطع روایت مردود کی ایک قسم ہے۔

تفسیر سعید بن منصور میں لکھا ہوا ہے:

"959) حدثنا سعيد قال: نا هشيم ، قال: نا العوام بن حوشب ، عن حبيب بن أبي ثابت ، قال: حدثني أبو البختري الطائي ، قال: قال لي حذيفة: أرأيت قول الله عز وجل اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أربابا من دون الله؟ فقال حذيفة: أما إنهم لم يصلوا لهم ، ولكنهم كانوا ما أحلوا لهم من حرام استحلوه ، وما حرموا عليهم من الحرام حرموه فتلك ربوبيتهم " (۳/ ۳۱۳ شاملة)

اس روایت کی سند ابوالبختری الطائی تک صحیح ہے، لیکن سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ ''لي'' کا لفظ کاتب یا ناسخ کی خطأ ہے۔ اس کے علاوہ باقی تمام کتابوں میں یہ روایت سماع کی تصریح کے بغیر ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ سعید بن منصور رحمہ اللہ نے یہ روایت اسی طرح ''قال لي'' کے ساتھ بیان کی تھی تو پھر موقوف سند صحیح ہے۔ واللہ اعلم

تنبیہ: جامع بیان العلم وفضلہ (۲/ ۲۱۹ ح ۹۴۸) میں اس مفہوم کی ایک روایت (صحیح سند کے ساتھ) ابوالاحوص سلام بن سلیم الحنفی الکوفی سے عن عطاء بن السائب عن ابی البختری کی

سند کے ساتھ مروی ہے، یعنی یہ صرف ابوالبختری کا اپنا قول ہے۔

ابوالاحوص کا شمار عطاء بن السائب کے قدیم شاگردوں میں نہیں۔ (دیکھئے اختصار علوم الحدیث تحقیقی ص ۱۶۶) لہٰذا یہ مقطوع سند بھی ضعیف ہے۔ واللہ اعلم

آپ نے اس تحقیق سے دیکھ لیا کہ یہ روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف و مردود ہی ہے اور اسی بات کو انوار الصحیفہ میں اختصار پیشِ نظر رکھتے ہوئے درج ذیل الفاظ کے ساتھ لکھا گیا ہے: " **غطیف: ضعیف (تق: ٥٣٦٤) و للحدیث شاهد موقوف عند الطبري في تفسيره (١٠/ ٨١) و سنده ضعيف منقطع** " (ص ۲۸۱)

اگر کوئی کہے کہ اس آیت کا مطلب کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہی ہے کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے احبار و رہبان کو اس طرح سے رب بنا لیا کہ اللہ کی نافرمانی میں ان کی اطاعت کی، جسے احبار و رہبان نے حلال قرار دیا تو اسے حلال سمجھا اور جسے انھوں نے حرام قرار دیا تو اسے حرام سمجھا، چاہے یہ تحلیل و تحریم وحی الٰہی اور آثارِ انبیاء کے سراسر خلاف تھی۔ (دیکھئے تفسیر ابن جریر ۵/ ۸۲۳، اور تفسیر بغوی ۲/ ۲۸۵ وغیرہما)

ضعیف روایات کو خواہ مخواہ جمع تفریق کر کے حسن لغیرہ قرار دینا متقدمین محدثین سے ہرگز ثابت نہیں اور نہ متاخرین کا اس (ضعیف + ضعیف) پر کلیتاً عمل ہے۔

اپنی مرضی کی روایات کو حسن لغیرہ بنا دینا اور مخالفین کی کئی سندوں والی روایات کو ضعیف، شاذ اور منکر قرار دے کر رد کر دینا دوغلی پالیسی کے سوا کچھ نہیں۔

وما علینا إلا البلاغ (۱۶/ مئی ۲۰۱۳ء)

روافض یعنی شیعہ کے بارے میں امام زہری کا فیصلہ

امام زہری رحمہ اللہ (تابعی) نے فرمایا: میں نے نصاریٰ (عیسائیوں) کے مشابہ سبائیوں (رافضیوں) سے بڑھ کر کوئی قوم نہیں دیکھی۔

(الشریعۃ للآجری: ۲۰۲۸، السنۃ لحرب الکرمانی: ۲۷۵ وسندہ صحیح)

حافظ زبیر علی زئی

کیا تراویح کے بارے میں ابن ہمام حنفی کا قول شاذ ہے؟

[انوار اوکاڑوی دیوبندی کا جواب]

کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید السکندری السیوسی (م ۸۶۱ھ) ایک ماتریدی حنفی مولوی تھا جو ابن ہمام کے نام سے مشہور و معروف ہے۔

اس ابن ہمام کے بارے میں عبدالحی لکھنوی نے لکھا ہے: " و کان إماماً..."

(الفوائد البہیہ ص ۲۳۶)

لکھنوی صاحب نے ابن ہمام کی کتاب شرح الہدایہ یعنی فتح القدیر کو تصانیف مقبولہ معتبرہ میں شامل کیا ہے۔

فقیر محمد جہلمی نے زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہوئے اور مبالغے کا "لک" توڑتے ہوئے لکھا ہے: "امام محقق، علامہ مدقق نظار، فروعی، اصولی، محدث، مفسر، حافظ، نحوی، کلامی، منطقی، جدلی، فارس میدان بحث تھے.. چنانچہ ہدایہ کی شرح فتح القدیر نام ایسی محققانہ لکھی کہ جس کی نظیر آج تک نہیں ملتی اور اس میں تعصب و اعتساف مذہبی سے اجتناب کر کے نہایت منصفانہ دلائل سے مذہب حنفیہ کو ثابت کیا۔" الخ (حدائق الحنفیہ ص ۳۵۰)

سرفراز خان صفدر کڑمنگی گکھڑوی دیوبندی نے لکھا ہے:

"امام کمال الدین محمد بن ہمام الحنفی..." (ازالۃ الریب عن عقیدۃ علم الغیب ص ۸۶ ملخصاً)

آنجہانی ماسٹر امین اوکاڑوی نے لکھا ہے:

"شیخ الاسلام محقق ابن ہمامؒ اور رکعاتِ تراویح..." (تجلیات صفدر ۳/۲۴۳)

احمد رضا خان بریلوی نے لکھا ہے: "المحقق علی الاطلاق" (الامن والعلی ص ۱۵۲)

آلِ دیوبند وغیرہ کی کتابوں میں مزید بہت سے حوالے تلاش کئے جا سکتے ہیں، جن میں ابن ہمام کی بہت تعریف کی گئی ہے۔

اس ابن ہمام نے متعدد غلط باتیں لکھتے ہوئے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ "فتحصل من هذا كله أن قيام رمضان سنة إحدى عشرة ركعة بالوتر في جماعة فعله صلى الله عليه وسلم ثم تركه لعذر..." اس سب کا حاصل وخلاصہ یہ ہے کہ قیام رمضان گیارہ رکعت مع الوتر با جماعت سنت ہے، آپ ﷺ نے یہ قیام کیا ہے پھر ایک عذر کی وجہ سے اسے چھوڑا ہے۔ (فتح القدیر ج ا ص ۴۰۷ فصل فی قیام رمضان: التراویح...)

ابن ہمام کے اس قول کو متعدد حنفی وغیر حنفی علماء نے اپنی عبارات میں اختیار کیا ہے، مثلاً:

۱: ملا علی قاری حنفی نے کئی قلابازیاں کھاتے ہوئے بھی ابن ہمام کا قول ذکر کیا ہے اور یہ صراحت نہیں کی کہ رسول اللہ ﷺ نے گیارہ رکعات نہیں پڑھی تھیں۔

(دیکھئے مرقاۃ المفاتیح ۳۸۲/۳ تحت ح ۱۳۰۳)

۲: خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی نے لکھا ہے:

"البتہ بعض علماء نے جیسے ابن ہمام آٹھ کو سنت اور زائد کو مستحب لکھا ہے سو یہ قول قابل طعن کے نہیں" (براہین قاطعہ ص ۸)

خلیل احمد نے مزید لکھا ہے:

"اور سنت مؤکدہ ہونا تراویح کا آٹھ رکعت تو باتفاق ہے اگر خلاف ہے تو بارہ میں ہے..."

(براہین قاطعہ ص ۱۹۵)

۳: احمد علی سہارنپوری تقلیدی نے ابن ہمام کا مکمل قول نقل کر کے لکھا ہے:

"كذا قاله ابن الهمام ۱۲" ابن ہمام نے اسی طرح کہا ہے۔

(حاشیہ صحیح بخاری ج ا ص ۱۵۴ حاشیہ نمبر ۳)

احمد علی کا یہ طریقہ ہے کہ جس کتاب سے عبارت نقل کی، اُس کا حوالہ لکھ دیا مثلاً:

"كذا في القسطلاني... كذا في المجمع" (دیکھئے صفحہ مذکورہ)

ایسا لکھنے سے سہارنپوری کی مراد مذکور قائل پر کسی قسم کا رد نہیں ہوتا۔

ماسٹرامین اوکاڑوی نے تسلیم کیا ہے کہ ابن ہمام کے نزدیک ''رسول پاک ﷺ نے آٹھ رکعت پڑھی ہیں...''

اور بعد میں اوکاڑوی نے اسے ''شاذ اقوال'' میں شمار کیا ہے۔ (دیکھئے تجلیات صفدر ۳/۲۴۳)

انوار اوکاڑوی نے لکھا ہے:

''جب کہ یہ شاذ قول ہے اوراس کو نہ تحقیقی طور پر پیش کر سکتے ہیں کہ ابن ہمام نہ خدا ہے اور نہ رسول، نہ الزامی طور پر کہ یہ مفتیٰ بہ نہیں ہے'' (ماہنامہ الخیر ملتان ج ۳۱ شمارہ ۹۔۱۰، اگست ۲۰۱۳ء ص ۵۰)

ہمارے علم کے مطابق انگریزی دور سے پہلے کسی عالم نے بھی ابن ہمام کے اس قول کو شاذ ہرگز نہیں کہا، بلکہ متعدد علماء سے ابن ہمام کی معنوی تائید ثابت ہے۔ مثلاً:

۱: ابن نجیم حنفی (م ۹۷۰ھ) نے ابن ہمام سے بطورِ اقرار نقل کیا:

پس اس طرح ہمارے مشائخ کے اصول پر ان میں سے آٹھ (رکعتیں) مسنون اور بارہ (رکعتیں) مستحب ہو جاتی ہیں۔ (البحر الرائق ۲/۶۷، تعدادِ قیامِ رمضان کا تحقیقی جائزہ ص ۱۰۸)

۲: طحطاوی نے لکھا ہے: ''**لأن النبي عليه الصلوٰة والسلام لم يصلها عشرين ، بل ثماني**'' کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیس (رکعات) نہیں پڑھیں بلکہ آٹھ پڑھی ہیں۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ۱/۲۹۵)

۳: محمد احسن نانوتوی تقلیدی نے کہا:

'' لأن النبي ﷺ لم يصلها عشرين بل ثمانيًا '' کیونکہ نبی ﷺ نے بیس (۲۰ رکعات) نہیں پڑھیں بلکہ آٹھ رکعات پڑھی ہیں۔ (حاشیہ کنز الدقائق ص ۳۶ حاشیہ نمبر ۴)

۴: حسن بن عمار بن علی الشرنبلانی حنفی (م ۱۰۶۹ھ) نے تسلیم کیا ہے کہ

کیونکہ یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے جماعت کے ساتھ گیارہ رکعتیں مع وتر پڑھی ہیں۔

(مراقی الفلاح شرح نور الایضاح ص ۹۸)

مزید حوالوں کے لئے دیکھئے راقم الحروف کا مضمون: آٹھ رکعات تراویح اور غیر اہلحدیث علماء (تعدادِ رکعاتِ قیامِ رمضان کا تحقیقی جائزہ ص ۱۰۷۔۱۱۱)

ثابت ہوا کہ دونوں اوکاڑویوں کا ابن ہمام کے قول کو شاذ کہنا باطل و مردود ہے۔

آخر میں چند اہم تنبیہات پیشِ خدمت ہیں:

۱: ہمیں یہ تسلیم ہے کہ ابن ہمام نہ اللہ ہے اور نہ رسول، لیکن ایک غالی حنفی مولوی تھا اور اس کا قول نیز دیگر تقلیدی علماء کی عبارات کو حنفیہ تقلیدیہ غالیہ پر بطورِ الزام پیش کیا جاتا ہے کہ جس بات کا تم انکار کرتے ہو، اسے تمھارے فلاں فلاں مولوی نے بھی تسلیم کر رکھا ہے۔

۲: شاذ تو وہ قول ہوتا ہے جس میں کسی راوی کا تفرد ہو، ثقہ راویوں کے خلاف ہو اور کوئی متابعت ثابت نہ ہو۔ یہاں تو ملا علی قاری، شرنبلالی، طحطاوی اور سہارنپوری وغیرہم نے ابن ہمام کی مکمل متابعت کر رکھی ہے، لہٰذا شذوذ کا دعویٰ باطل ہے۔

تنبیہ: آلِ دیوبند اور تقلیدیہ غالیہ کو ثقات میں سے سمجھنا باطل ہے۔

۳: ابن ہمام وغیرہ تقلیدیوں کا یہ کہنا کہ خلفائے راشدین نے بیس رکعات تراویح پڑھی ہیں، بہت بڑا جھوٹ اور بہتان ہے۔

کسی ایک خلیفۂ راشد سے بھی باسند صحیح متصل بیس رکعات ثابت نہیں، بلکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے باسند صحیح گیارہ رکعات (تراویح مع الوتر) ثابت ہیں۔

(دیکھئے موطأ امام مالک ۱/۱۱۵ ح ۲۴۹)

عینی حنفی اور نیموی دونوں نے اس روایت کا صحیح السند ہونا تسلیم کیا ہے۔

(دیکھئے نخب الافکار ۵/۱۰۳، دوسرا نسخہ ۳/۲۷۷، آثار السنن: ۷۷۶)

لہٰذا انگریزی دور کے آلِ دیوبند و آلِ تقلید کا اس فاروقی حکم کو مضطرب یا ضعیف کہنا بہت بڑا جھوٹ ہے۔

۴: آلِ دیوبند کا عام طریقۂ کار یہ ہے کہ اپنی مرضی کی روایات و اقوال کو صحیح و ثابت باور کراتے ہیں، اگرچہ بے سند، باطل و مردود ہی ہوں اور اپنی مرضی کے خلاف روایات و اقوال کو شاذ و ضعیف باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں اگرچہ صحیح الاسناد اور حسن لذاتہ ہی کیوں نہ ہوں۔

(۷/ اگست ۲۰۱۳ء)

حافظ زبیر علی زئی

غلام رسول سعیدی: ایک موضوع روایت اور قربانی کا وجوب؟

الحمد للّٰہ ربّ العالمین والصلوٰۃ والسلام علٰی رسولہ الأمین، أما بعد:

غلام رسول سعیدی بریلوی صاحب نے قرآن مجید کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اور قربانی کرنے کا وجوب حسب ذیل احادیث سے ثابت ہے، نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

ضحوا و طیبوا بھا انفسکم خوش دلی سے قربانی کیا کرو۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۴۹۳، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۲۲۳۴-۸۱۶۷ قدیم، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۲۶، المستدرک ج ۴ ص ۲۲۱، شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۱۲۴)

اس حدیث میں آپ نے قربانی کرنے کا حکم دیا ہے اور امر اصل میں وجوب کے لئے آتا ہے، خصوصاً جب کہ قرائن صارفہ سے خالی ہو'' (تبیان القرآن ج ۹ ص ۹۲۷)

عرض ہے کہ ''ضحوا'' یعنی قربانی کرو کے حکم کے ساتھ یہ حدیث نہ تو سنن ترمذی میں موجود ہے اور نہ سنن ابن ماجہ میں ہے، نہ تو مستدرک میں ملی ہے اور نہ شرح السنہ للبغوی میں ہے، لہٰذا مذکورہ تمام حوالے غلط ہیں۔

ہمارے علم کے مطابق یہ حدیث مذکورہ حوالوں میں سے صرف مصنف عبدالرزاق (ح ۸۱۶۷، دوسرا نسخہ: ۸۱۹۸) میں موجود ہے، اسے امام عبدالرزاق نے ابوسعید الشامی قال: حدثنا عطاء بن ابی رباح عن عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند سے روایت کیا ہے۔

اس روایت کے مرکزی راوی ابوسعید عبدالقدوس بن حبیب الشامی کا تذکرہ درج ذیل ہے:

۱: امام عبداللہ بن المبارک المروزی رحمہ اللہ نے عبدالقدوس بن حبیب کے بارے میں فرمایا: ''کذاب'' بڑا جھوٹا۔ (مقدمہ صحیح مسلم: ۸۲ وسندہ صحیح، مع شرح غلام رسول سعیدی ج ۱ ص ۲۳۱)

۲: امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"متروك الحديث ، كان لا يصدق " متروک الحدیث، اسے سچا نہیں سمجھا جاتا تھا/ یا وہ سچ نہیں بولتا تھا۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۶/ ۵٦، نیز دیکھئے علل الحدیث ۱/ ۴۵۹ ح ۱۳۸۰)

۳: امام ابوحفص عمرو بن علی الفلاس الصیرفی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"اجمع أهل العلم على ترك حديثه" اس کی حدیث ترک کرنے پر اہلِ علم کا اجماع ہے۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۶/ ۵٦، تاریخ بغداد ۱۱/ ۱۲۸، وسندہ صحیح)

۴: امام مسلم بن الحجاج القشیری النیسابوری رحمہ اللہ نے فرمایا:

"ذاهب الحديث" یعنی وہ حدیث میں گیا گزرا ہے۔

(کتاب الکنیٰ قلمی مصور ۴۵/ ۱۲۱، تاریخ بغداد ۱۱/ ۱۲۸، وسندہ صحیح)

ذاہب الحدیث کے بارے میں دیکھئے اسی سلسلے کا حوالہ نمبر ۱۰

۵: امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا:

"في حديثه مناكير" اس کی حدیثوں میں منکر (روایتیں) ہیں۔

(کتاب الضعفاء تحقیقی: ۲۴٦، تحفۃ الاقویاء ص ۷۷)

٦: امام نسائی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"أبو سعيد الشامي ، متروك" (کتاب الضعفاء والمتروکین: ۳۷۷)

۷: حافظ ابن مندہ نے فرمایا:

اسانید اور متون گھڑنے کے ساتھ عبداللہ بن مسور، عمرو بن خالد، ابوداود النخعی سلیمان بن عمرو، غیاث بن ابراہیم، محمد بن سعید الشامی، عبدالقدوس بن حبیب اور غالب بن عبید اللہ الجزری مشہور ہیں۔ (فضل الاخبار وشرح مذاہب الآثار ۱/ ۸۱، تحقیقی مقالات ۵/ ۵۴۱)

۸: حافظ ابن حبان نے فرمایا:

"وكان يضع الحديث على الثقات ، لا تحل كتابة حديثه ولا الرواية عنه" وہ حدیثیں گھڑتا تھا اور ثقہ راویوں سے منسوب کر دیتا تھا، اس کی حدیث لکھنا حلال نہیں اور نہ اس سے روایت حلال ہے۔ (کتاب المجروحین ۲/ ۱۳۱، دوسرا نسخہ ۲/ ۱۱۳)

۹: حافظ ابن عدی نے فرمایا:

"وهو منكر الحديث إسنادًا و متنًا" وہ سند اور متن (دونوں) کے لحاظ سے منکر حدیثیں بیان کرنے والا تھا۔ (الکامل لابن عدی ۵/۱۹۸۱، دوسرا نسخہ ۷/۳۶)

۱۰: امام محمد بن عبداللہ بن عمار الموصلی نے فرمایا:

"وهو ذاهب الحديث" وہ حدیث میں گیا گزرا ہے۔ (تاریخ بغداد ۱۱/ ۱۲۸، وسندہ صحیح)

یاد رہے کہ یہ الفاظ شدید جرح پر محمول ہیں۔

دیکھئے کتاب الجرح والتعدیل (۲/ ۳۷)

ان کے علاوہ دوسرے بہت سے محدثین وعلمائے اہل سنت نے ابو سعید عبدالقدوس بن حبیب الشامی پر جرحیں کی ہیں، جن کی تفصیل لسان المیزان (۴/ ۴۵۔ ۴۸) اور کتب الجروحین میں دیکھی جا سکتی ہے۔

اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ غلام رسول سعیدی صاحب کی پیش کردہ روایت اصولِ حدیث کی رُو سے موضوع ہے، جسے وہ تفسیرِ قرآن کے تحت عام سادہ لوح لوگوں میں بغیر جرح کے بلکہ بطورِ استدلال پھیلا رہے ہیں۔

دوسری سند: حافظ ابن عبدالبر کی کتاب التمہید میں اس روایت کی دوسری سند بھی ہے، جس کی سند میں نصر بن حماد راوی ہے اور اسماء الرجال کی رُو سے اس کا مقام درج ذیل ہے:

ا: امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: "نصر بن حماد كذاب"

(کتاب الضعفاء للعقیلی ۴/ ۳۰۱، دوسرا نسخہ ۴/ ۱۴۲۶، وسندہ صحیح)

۲: امام ابو حاتم الرازی نے فرمایا: "هو متروك الحديث"

(کتاب الجرح والتعدیل ۸/ ۴۷۰)

۳: امام ابو زرعہ الرازی نے فرمایا:

"لا يكتب حديثه" اس کی حدیث لکھی نہیں جاتی۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۸/ ۴۷۰)

۴: امام مسلم نے فرمایا: "ذاهب الحديث"

(کتاب الکنیٰ مخطوط مصور ص ۱۰۲/۲۶، تاریخ بغداد ۱۳/۲۸۲ وسندہ صحیح)

۵: عقیلی نے فرمایا: "و نصر بن حماد متروك"

(کتاب الضعفاء ۴/۳۰۱، دوسرا نسخہ ۴/۱۴۲۶)

۶: امام یعقوب بن شیبہ نے فرمایا:

"لیس بشئ" وہ کوئی چیز نہیں۔ (تاریخ بغداد ۱۳/۲۸۱ ت ۷۲۴۴)

۷: حافظ ابن عبدالبر نے نصر بن حماد الوراق کے بارے میں خود لکھا ہے:

"یروي عن شعبة مناکیر ، ترکوہ" اس نے شعبہ سے منکر روایتیں بیان کیں، انھوں (محدثین) نے اسے ترک کر دیا ہے۔ (التمہید ۱/۵۰)

۸: امام دارقطنی نے اسے کتاب الضعفاء والمتروکین (ص ۳۸۰ رقم ۵۴۶) میں ذکر کیا۔

۹: حافظ ذہبی نے فرمایا: "حافظ متهم" (الکاشف ۳/۲۱۳ ت ۵۸۰۵)

۱۰: ہیثمی نے فرمایا: "وهو متروك" (مجمع الزوائد ۶/۹۱ باب فیمن قتل من المشرکین یوم بدر)

ان کے علاوہ مزید جروح کے لئے تہذیب التہذیب وغیرہ کی طرف رجوع کریں اور اپنے آپ کو حنفیت کی طرف منسوب کرنے والوں کو چاہئے کہ ذرا نصب الرایہ (۲/۳۸۷) بھی پڑھ لیں۔

یہ دوسری روایت بھی موضوع ثابت ہوئی، لہٰذا سعیدی صاحب کا اپنی پیش کردہ روایت میں صیغۂ امر سے وجوب ثابت کرنا باطل ومردود ہوا۔

ان پر یہ ضروری تھا کہ پہلے اپنی پیش کردہ روایت کی تحقیق کرتے، موضوع اور مردود روایات پیش کرنے سے حیا کرتے، پھر تختِ پر نقش نگاری کرتے تو یہ دن نہ دیکھنا پڑتا کہ کذابین کی روایت سینے سے لگائے عیدالاضحیٰ کی قربانی کا وجوب ثابت کر رہے ہیں۔

کیا شارحِ قرآن اور شارحِ صحیحین کا یہی طرزِ عمل ہوتا ہے؟!

بطورِ تنبیہ عرض ہے کہ سعیدی صاحب کے پیش کردہ دیگر حوالوں میں "ضحوا" کا لفظ موجود ہی نہیں اور سنن ترمذی (۱۴۹۳، وقال: حسن غریب) سنن ابن ماجہ (۳۱۲۶) اور

مستدرک الحاکم (۴/۲۲۱۔۲۲۲ ح ۷۵۲۳ وقال: "صحیح الاسناد" فردہ الذهبي بقوله: سليمان واہٍ و بعضهم تركه) والی روایت میں قربانی کی فضیلت کے آخر میں:

"فطيبوا بها نفسا" پس اپنے دلوں کو خوش کرو۔

کے الفاظ ہیں اور ان سے قربانی کا وجوب ثابت نہیں ہوتا، دوسرے یہ کہ یہ روایت حسن یا صحیح نہیں بلکہ ضعیف ہے۔

اس کے راوی ابوالمثنیٰ سلیمان بن یزید الکعبی کو جمہور محدثین نے ضعیف و مجروح قرار دیا ہے، جن میں سے بعض گواہیاں درج ذیل ہیں:

۱: امام ابوحاتم الرازی نے فرمایا:

"منكر الحديث، ليس بقوي" وہ منکر حدیثیں بیان کرنے والا تھا، وہ قوی نہیں۔

(کتاب الجرح والتعدیل ۴/۱۴۹)

۲: دارقطنی نے فرمایا: "وأبو المثنى ضعيف" (کتاب العلل ۱۵/۵۱ سوال ۳۸۲۳)

۳: حافظ ذہبی نے فرمایا: "واہٍ" کمزور ہے۔ (تلخیص المستدرک: ۷۵۲۳)

۴: حافظ ابن حجر نے فرمایا: "ضعیف" (تقریب التہذیب: ۸۳۴۰)

حافظ ابن حبان نے توثیق بھی کی اور جرح بھی کی، لہٰذا ان کے دونوں اقوال باہم متعارض ہو کر ساقط ہیں اور جمہور محدثین کے مقابلے میں ترمذی و حاکم کی توثیق مرجوح ہے، نیز ہشام بن عروہ سے ابوالمثنیٰ کے سماع میں بھی نظر ہے۔

خلاصہ یہ کہ سنن ترمذی والی روایت ضعیف بھی ہے اور سعیدی صاحب کے دعویٰ پر دلیل بھی نہیں۔ غلام رسول سعیدی صاحب نے مزید لکھا ہے:

"نیز آپ نے فرمایا:

على اهل كل بيت فى كل عام أضحية و عتيرة	ہر گھر والے پر ہر سال قربانی اور عتیرہ ہے

(سنن ابی داود رقم الحدیث: ۲۷۸۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۱۸، سنن النسائی رقم

الحدیث:۴۲۲۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۱۲۵)

اور علیٰ وجوب کے لئے آتا ہے یعنی ہر گھر والے پر ہر سال قربانی کرنا واجب ہے، اور عتیرہ ابتدائے اسلام میں منسوخ ہو گیا تھا'' (تبیان القرآن ۹/۹۳۷)

علیٰ ہر جگہ وجوب کے معنی میں آتا ہے یا نہیں؟ اس بات سے قطع نظر اس روایت کی سند میں ابو رملہ عامر مجہول الحال راوی ہے، اسے (ہمارے علم کے مطابق) ترمذی کے علاوہ کسی نے بھی ثقہ وصدوق یا حسن الحدیث قرار نہیں دیا، بلکہ حافظ ذہبی نے فرمایا:

" فیه جهالة" اس میں جہالت یعنی مجہول پن ہے۔ (میزان الاعتدال ۲/۳۶۳ ت ۴۰۹۷)

اور فرمایا:"لا یعرف" وہ غیر معروف ہے۔ (دیوان الضعفاء والمتروکین ۲/۱۱ ت ۲۰۶۱)

حافظ ابن حجر نے فرمایا:"لا یعرف" وہ غیر معروف ہے۔ (تقریب التہذیب:۳۱۱۳)

حافظ عبدالحق اشبیلی نے اس سند کو ضعیف کہا اور ابن القطان (الفاسی) نے عامر کی جہالت (مجہول ہونے) کی وجہ سے اُن کی تصدیق کی۔ (میزان الاعتدال ۲/۳۶۳)

ان موضوع وضعیف روایات کے بعد سعیدی صاحب نے سنن ابن ماجہ (۳۱۲۳) وغیرہ کی وہ روایت بھی پیش کی ہے کہ" جو قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے"

سعیدی صاحب نے لکھا ہے:

''اس حدیث میں قربانی نہ کرنے پر وعید ہے اور وعید صرف واجب کے ترک پر ہوتی ہے''

(تبیان القرآن ۹/۹۳۷)

عرض ہے کہ اس میں وعید نہیں بلکہ ممانعت ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے:

جو شخص تھوم (لہسن) کھائے تو وہ ہمارے مسجد کے قریب نہ آئے۔ (صحیح بخاری:۸۵۳)

ایک روایت میں ہے: جو شخص لہسن یا پیاز کھائے وہ ہم سے دور رہے یا ہماری مسجد سے دور رہے۔ (صحیح بخاری:۵۴۵۲)

اور فرمایا: ہمارے قریب نہ آئے اور ہر گز ہمارے ساتھ نماز نہ پڑھے۔

(صحیح بخاری:۸۵۶، صحیح مسلم:۵۶۲)

کیا اگر کوئی شخص کچا پیاز یا لہسن کھالے تو آلِ بریلی کے نزدیک اس پر واجب ہے کہ مسجد میں داخل نہ ہو اور مسلمانوں کے ساتھ نماز باجماعت نہ پڑھے؟!

اگر ہے تو حوالے پیش کریں اور اگر نہیں تو سعیدی صاحب کا استدلال باطل ہے۔

سعیدی صاحب نے لکھا ہے:

''نیز آپ کا ارشاد ہے:

''من ذبح قبل الصلاة فليعد اضحيته جس نے عید کی نماز سے پہلے قربانی کی وہ اپنی قربانی دہرائے۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث:۵۵۵۶، صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۵۵۲، سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۵۰۸، مسند احمد ج۴ ص۲۹۷)

اس حدیث میں آپ نے قربانی دوبارہ کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ واجب کی علامت ہے۔'' الخ (تبیان القرآن ج۹ ص۹۳۷)

اس حدیث کے آخر میں آیا ہے کہ ''و من ذبح بعد الصلاة فقد تمّ نسكه وأصاب سنة المسلمين .'' اور جس نے (عید کی) نماز کے بعد ذبح کی تو اس کی قربانی مکمل ہوگئی اور اس نے مسلمانوں کی سنت کو پالیا۔

(صحیح بخاری:۵۵۵۶، صحیح مسلم ترقیم فواد:۱۹۶۱، ترقیم دارالسلام:۵۰۲۹)

جو لوگ اس حدیث سے وجوب ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اُن کے بارے میں حافظ ابن حجر العسقلانی نے لکھا ہے:'' ورده الطحاوي بأنه لو كان كذلك لتعرض إلى قيمة الأولى ليلزم بمثلها ، فلما لم يعتبر ذلك دل على أن الأمر بالاعادة كان على جهة الندب.'' اور اسے طحاوی نے رد کر دیا ہے، کیونکہ اگر یہ بات ہوتی تو پہلی (قربانی) کی قیمت اس کے ذمے لگائی تھی تا کہ اس کا مثل لازم ہو سکے، لہٰذا جب اس کا اعتبار نہیں کیا گیا تو یہ اس کی دلیل ہے کہ اعادے (دوبارہ قربانی) کا حکم استحباب کے طور پر ہے۔ (فتح الباری ج۱۰ ص۱۶ تحت ح۵۵۵۶۔۵۵۵۷)

امام شافعی رحمہ اللہ کا قول آگے ''قربانی سنت موکدہ ہے'' کے تحت آرہا ہے۔ ان شاء اللہ

طحاوی کا یہ خیال ہے کہ ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے خود اپنے آپ پر پہلی قربانی کو واجب قرار دے رکھا تھا، لہٰذا انھیں اعادے کا حکم دیا گیا۔ (دیکھئے شرح مشکل الآثار ۱۲/ ۳۷۹ تحت ح ۴۸۷۷)

نیز طحاوی نے لکھا ہے:

"وذهب أكثر أهل العلم سواه إلى أنها مامور بها، محضوض عليها، غير واجبة" ان (امام ابوحنیفہ) کے علاوہ اکثر اہل علم کا یہ مذہب ہے کہ یہ مامور بہ ہے (یعنی ایسا حکم ہے) جس کی بہت ترغیب دی گئی ہے، یہ واجب نہیں ہے۔ (مشکل الآثار ۱۲/ ۳۷۹)

قرطبی نے لکھا ہے:

"ولا حجة في شيً من ذلك واضحة لأن المقصود بيان كيفية مشروعية الأضحية لمن أراد أن يفعلها أو من التزمها فأوقعها على غير الوجه المشروع غلطًا أو جهلاً فبين له النبي ﷺ وجه تدارك مافرّط فيه."

اور اس (استدلال) میں کوئی واضح دلیل نہیں کیونکہ مقصود تو مسنون قربانی کی کیفیت ہے اس کے لئے جو کرنا چاہتا ہے یا اس نے اسے (اپنے آپ پر) لازم قرار دیا ہے، پھر وہ غلطی یا ناسمجھی کی وجہ سے مسنون طریقے کے بغیر یہ کر دیتا ہے، پس نبی ﷺ نے اسے وہ بات بتا دی جس سے وہ اپنی غلطی کا تدارک کر سکتا ہے۔ (المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم ج ۵ ص ۳۵۲)

اس سے ثابت ہوا کہ سعیدی صاحب کا حدیث مذکور سے استدلال غلط ہے، نیز قرائن صارفہ کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ ان شاء اللہ

قربانی سنت موکدہ ہے

امام مالک نے فرمایا: قربانی سنت ہے، واجب نہیں اور میں پسند نہیں کرتا کہ کوئی آدمی مال و دولت ہونے کے باوجود اسے ترک کرے۔ (الموطأ ۲/ ۴۸۷ بعد ح ۱۰۷۳، روایۃ یحییٰ بن یحییٰ)

امام احمد سے پوچھا گیا: قربانی فرض ہے؟ انھوں نے فرمایا: میں اسے فرض نہیں کہتا لیکن یہ مستحب ہے۔ (مسائل ابی داود ص ۲۵۵ مختصراً)

امام بخاری نے فرمایا:"باب سنة الأضحية "قربانی کی سنت کا باب۔

پھر انھوں نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے تعلیقاً روایت بیان کی:" هي سنة و معروف" قربانی سنت ہے اور نیکی کا کام ہے۔

(صحیح بخاری قبل ح ۵۵۴۵، نیز دیکھئے تغلیق التعلیق ۵/۳ وفیہ ابو الخصیب زیاد بن عبدالرحمٰن القیسی)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:"والعمل علی هذا عند أهل العلم أن الأضحية ليست بواجبة ولكنها سنة من سنن النبي ﷺ يستحب أن يعمل بها وهو قول سفيان الثوري و ابن المبارك" اہل علم کے نزدیک اس پر عمل ہے کہ قربانی واجب نہیں لیکن وہ نبی ﷺ کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے اور اس پر عمل کرنا مستحب ہے، یہی قول سفیان ثوری اور عبداللہ بن المبارک کا ہے۔ (سنن ترمذی:۱۵۰۶)

اور یہی قول اکثر اہل علم کا ہے، جیسا کہ طحاوی کے حوالے سے گزر چکا ہے اور اب اس کے بعض دلائل پیشِ خدمت ہیں:

۱) ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:((إذا دخلت العشر وأراد أحدكم أن يضحي فلا يمسّ من شعره و بشره شيئاً.)) جب (ذوالحجہ کا) عشرہ داخل ہو جائے اور تم میں سے کوئی شخص قربانی کرنے کا ارادہ کرے تو نہ اپنے بال کاٹے اور نہ ناخن کاٹے۔ (صحیح مسلم:۱۹۷۷، ترقیم دارالسلام:۵۱۱۷، شرح غلام رسول سعیدی ۶/۱۷۲)

اس حدیث پر امام دارمی نے "باب ما يستدل من حديث النبي ﷺ أن الأضحية ليس بواجب" (سنن دارمی ۲/۷۶ قبل ح ۱۹۵۳) باندھا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے دوبارہ قربانی والی حدیث کی شرح میں فرمایا:

"فاحتمل أن يكون إنما أمره أن يعود لضحية ان الضحية واجبة واحتمل أمره أن يكون أمره أن يعود إن أراد أن يضحي لأن الضحية قبل الوقت ليست بضحية تجزيه فيكون من عداد من ضحى، فوجدنا الدلالة عن رسول الله ﷺ ان الضحية ليست بواجبة لا يحل تركها و هي سنة نحب

لزومها و نكرة تركها لا على ايجابها فإن قيل فأين السنة التي دلت على أن ليست بواجبة ؟ قيل ـ أخبرنا سفيان عن عبد الرحمٰن بن حميد عن سعيد ابن المسيب عن أم سلمة رضي الله عنها قالت قال رسول الله ﷺ :إذا دخل العشر فأراد أحدكم أن يضحي فلا يمس من شعره ولا من بشره شيئًا. (قال الشافعي رحمه الله) وفي هذا الحديث دلالة على أن الضحية ليست بواجبة..." آپ کے حکم کہ دوبارہ قربانی کرو، میں یہ احتمال ہے کہ قربانی واجب ہے اور آپ کے حکم کا یہ (بھی) احتمال ہے کہ آپ نے اسے دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا بشرطیکہ وہ قربانی کرنا چاہیں کیونکہ وقت سے پہلے ذبح کر دینا قربانی نہیں جو جائز ہو، لہٰذا (قربانی کر کے) وہ بھی قربانی کرنے والوں میں شامل ہو جائے گا، پھر ہمیں رسول اللہ ﷺ (کی حدیث) سے دلیل مل گئی کہ قربانی واجب نہیں، اسے ترک کرنا حلال نہیں اور یہ سنت ہے جسے لازم پکڑنا ہم پسند کرتے ہیں اور ترک کرنا مکروہ سمجھتے ہیں، واجب نہیں۔ پھر اگر کہا جائے کہ وہ سنت (حدیث) کہاں ہے جو اس کے واجب نہ ہونے کی دلیل ہے؟ (ہماری طرف سے) کہا گیا: ہمیں سفیان (بن عیینہ) نے حدیث بیان کی، انھوں نے عبدالرحمٰن بن حمید عن سعید بن المسیب عن ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب عشرہ داخل ہو جائے اور تم میں سے کوئی شخص قربانی کا ارادہ کرے تو نہ اپنے بال کاٹے اور نہ ناخن کاٹے۔ (شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا:) اس حدیث میں دلیل ہے کہ قربانی واجب نہیں۔ الخ

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/۲۶۳ وسندہ صحیح)

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث پیش کر کے امام ابن المنذر رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

" فالضحية لا تجب فرضًا ، استدلالاً بهذا الحديث إذ لو كان فرضًا لم يجعل ذلك إلى إرادة المضحي" پس اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے قربانی واجب فرض نہیں، کیونکہ اگر یہ فرض ہوتی تو اسے قربانی کرنے والے کے ارادے پر موقوف نہ کیا جاتا۔ (الاقناع لابن المنذر ۱/۳۷۶)

قاضی ابوبکر ابن العربی المالکی نے کہا: 'فعلّق الاضحیة بالارادة والواجب لا یتوقف علیها، بل هو فرض أراد المكلّف أو لم یرد" پس آپ نے قربانی کو ارادے پر معلّق کیا اور واجب کے بارے میں توقف نہیں کیا جاتا بلکہ وہ فرض ہے مکلّف چاہے یا نہ چاہے۔ (احکام القرآن ۴/۱۹۸۹، سورۃ الکوثر)

نیز حافظ ابن حزم نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے: "برهان بأن الأضحیة مردودة إلى ارادة المسلم و ما كان هكذا فليس فرضًا" دلیل ہے کہ قربانی کو مسلمان کے ارادے پر موقوف کیا گیا ہے اور جس کی یہ حالت ہو وہ فرض نہیں ہوتی۔
(المحلی ۷/۳۵۵ مسئلہ ۹۷۳)

آٹھویں صدی کے ابن الترکمانی (م ۷۴۵ھ) نے امام شافعی پر اعتراض کرتے ہوئے دو روایتیں پیش کی ہیں:

اول: "من أراد الجمعة فليغتسل" (الجوہر النقی ۹/۲۶۳)

ان الفاظ سے یہ روایت محلِ نظر ہے لیکن صحیح مسلم میں درج ذیل الفاظ والی حدیث ہے:
"إذا أراد أحدكم أن يأتي الجمعة فليغتسل" جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ جانے کے لئے ارادہ کرے تو غسل کر لے۔ (ح ۸۴۴، دارالسلام: ۱۹۵۱)

یہاں ارادہ جمعہ پڑھنے یا نہ پڑھنے پر موقوف نہیں بلکہ جمعہ پڑھنے کے لئے روانہ ہونے اور غسل کرنے پر موقوف ہے، جیسا کہ ماوردی نے کہا:
" قلنا: إنما علّق بالارادة الغسل دون الجمعة والغسل ليس بواجب فكذلك الاضحية." ہم نے کہا: یہاں ارادہ جمعے پر نہیں بلکہ غسل پر معلّق ہے اور غسل واجب نہیں، پس اسی طرح قربانی بھی واجب نہیں۔ (الحاوی الکبیر للماوردی ج ۱۵ ص ۱۶۱)

دوم: "من أراد الحج فليتعجل" (الجوہر النقی ۹/۲۶۳)

یہاں ارادہ حج کرنے یا نہ کرنے کے ساتھ نہیں بلکہ تعجیل یا تاخیر کے ساتھ مشروط ہے۔
عبدالرؤف المناوی (م ۱۰۳۱ھ) نے لکھا ہے:

"وهذا أمر ندبي لأن تاخير الحج عن وقت وجوبه سائغ كما علم من دليل آخر" اور یہ حکم استحبابی ہے کیونکہ وقتِ وجوب سے حج کی تاخیر جائز ہے جیسا کہ دوسری دلیل سے ثابت ہے۔ (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ۶/۶۳ تحت ح ۸۳۸۴)

یہ دونوں اعتراضات ختم ہوئے اور حدیثِ مسلم سے استدلال باقی رہا۔ والحمدللہ

۲) ابوسریحہ (حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ "أن أبا بكر و عمر رضي الله عنهما كانا لا يضحيان" بے شک ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما دونوں قربانی نہیں کرتے تھے۔

(شرح معانی الآثار ۴/۱۷۴ باب من نحر یوم النحر قبل أن ینحر الإمام، وسندہ حسن)

ایک روایت میں آیا ہے کہ ابوسریحہ نے فرمایا: میں نے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا "وما يضحيان" اور وہ دونوں قربانی نہیں کرتے تھے۔

(شرح معانی الآثار طبع سعید کمپنی کراچی ج ۲ ص ۳۲۹، وسندہ صحیح، مترجم اردو ج ۳ ص ۱۷۸ ح ۳۷۴)

تنبیہ: معانی الآثار میں کاتب کی غلطی سے ابوسریحہ کے بجائے ابوشریحہ لکھا ہوا ہے اور مکتبہ شاملہ میں صحیح حوالہ یعنی ابوسریحہ بھی موجود ہے۔

فائدہ: یہ دونوں روایتیں بطورِ استدلال پیش کر کے طحاوی (حنفی) نے یہ مسئلہ ثابت کیا ہے کہ عوام کے لئے نمازِ عید کے بعد اور خلیفہ کے قربانی کرنے سے پہلے بھی قربانی کر لینا جائز ہے۔

معرفۃ السنن والآثار للبیہقی کی روایت ہے کہ ابوسریحہ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا:
ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) دونوں میرے پڑوسی تھے، پس وہ دونوں قربانی نہیں کرتے تھے۔

(معرفۃ السنن والآثار ۷/ ۱۹۸، وسندہ حسن، مسند الفاروق لابن کثیر ۱/ ۳۳۲ وقال: وهذا إسناد صحيح)

بیہقی کی السنن الکبریٰ (۹/ ۲۶۵) میں بھی اس مفہوم کی ایک روایت ہے جس کی سند میں سفیان بن سعید الثوری ہیں اور سند عن سے ہے۔

یہ روایت حنفیہ، دیوبندیہ اور بریلویہ تینوں کے اصول سے بالکل صحیح ہے اور اہلِ حدیث کے اصول سے سندہ ضعیف لکنہ صحیح لغیرہ ہے۔

اس روایت کی دوسری سند میں اسماعیل بن ابی خالد مدلس ہیں اور روایت عن سے ہے۔

امام دارقطنی نے اس روایت کو محفوظ (صحیح) قرار دیا اور فرمایا کہ یہ اسماعیل (بن ابی خالد) نے شعبی سے سنی ہے۔ (کتاب العلل ۱/۲۸۶ سوال ۷۶)

نیز دیکھئے الامالی للمحاملی (ح ۳۳۵ دوسرا نسخہ چوتھا حصہ: ۷۹) احکام القرآن لابن العربی (۴/ ۱۹۸۹) المعجم الکبیر للطبرانی (۳/۱۸۲ ح ۳۰۵۸، مجمع الزوائد ۴/ ۱۸) اور ارواء الغلیل (۴/ ۳۵۵ ح ۱۱۳۹)

بعض الناس کا یہ کہنا کہ ان دونوں کے پاس نصابِ زکوٰۃ یا مال نہیں تھا، بالکل بے دلیل ہے، جس کی تردید اس سے بھی ہوتی ہے کہ وہ دونوں (رضی اللہ عنہما) اس وجہ سے قربانی نہیں کرتے تھے تاکہ لوگ اسے سنت واجبہ نہ سمجھ لیں، جیسا کہ اس روایت کی بعض سندوں میں آیا ہے۔

۴) اب چند وہ روایات پیشِ خدمت ہیں جو حنفی، دیوبندی اور بریلوی تینوں کے اصول سے صحیح یا حسن ہیں:

۱: ابو مسعود الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے قربانی کو چھوڑ دینے کا ارادہ کیا اور میرے پاس تم سے زیادہ مال موجود ہے، اس خوف کی وجہ سے کہ دل اسے کہیں واجب ضروری نہ سمجھ لے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/ ۲۶۵)

اس روایت کی سند میں سفیان ثوری مدلس ہیں اور روایت عن سے ہے (عن منصور و اصل) باقی سند صحیح ہے، لہٰذا حنفیہ و بریلویہ و دیوبندیہ کے اُصول سے یہ روایت صحیح ہے۔

۲: سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "**ما أبالي لو ضحيت بديك**" مجھے کوئی پروا نہیں اگر چہ میں مرغ کی قربانی کر دوں۔ (المؤتلف والمختلف للدارقطنی ۲/ ۱۰۴۱)

اس روایت کی سند میں سفیان ثوری مدلس ہیں اور روایت عن سے ہے، باقی ساری سند صحیح ہے، لہٰذا "ح ب د" تینوں فرقوں کے اصول سے یہ روایت صحیح ہے۔

تنبیہ: یہ روایت مصنف عبدالرزاق (۴/ ۳۸۴ ح ۸۱۵۶)

میں بھی موجود ہے، بلکہ المحلی لابن حزم (۷/ ۳۵۸ مسئلہ ۹۷۳) میں بحوالہ سعید بن منصور

سفیان ثوری کی متابعت (ابوالاحوص ثقہ) بھی مذکور ہے۔ واللہ اعلم

۳: ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے ابوالخصیب سے کہا: شاید تم اسے (قربانی کو) حتمی (ضروری، واجب) سمجھتے ہو؟ ابوالخصیب نے کہا: نہیں! لیکن وہ اجر ہے۔ خیر ہے اور سنت ہے۔ تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی ہاں۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/۲۶۶)

اس روایت کی سند میں بنوقیس بن ثعلبہ کا ایک آدمی ابوالخصیب (زیاد بن عبدالرحمٰن القیسی) ہیں، جنھیں ابن حبان نے ثقہ قرار دیا اور امام بخاری نے تعلیقات میں ان سے روایت لی۔ (قبل ح ۵۵۴۵)

حافظ ابن حجر نے ان کی بیان کردہ اس روایت کے بارے میں فرمایا: "بسند جید إلی ابن عمر" یعنی ابن عمر تک اچھی سند کے ساتھ۔ (فتح الباری ۱۰/۳ کتاب الاضاحی باب ۱)

اس سے ثابت ہوا کہ زیاد بن عبدالرحمٰن صدوق راوی ہیں، لہٰذا یہ سند حسن ہے۔

عبدالعزیز بخاری (حنفی) نے لکھا ہے: "وعندنا خبر المجهول من القرون الثلاثة مقبول" ہمارے نزدیک قرون ثلاثہ (خیر القرون) کے مجہول کی روایت مقبول ہے۔

(کشف الاسرار ۲/۳۸۶)

نیز دیکھئے حسامی مع النامی (۱/۱۴۳۔۱۴۴) اور مسلم الثبوت (ص ۱۹۱)

آخر میں عرض ہے کہ قربانی کا وجوب صراحتاً کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں اور نہ کسی صحابی یا تابعی نے اسے واجب قرار دیا ہے، بلکہ اس مضمون میں سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کے عمل سے اس کا عدم وجوب ثابت ہے، لہٰذا قربانی سنت موکدہ ہے اور اسے ترک نہیں کرنا چاہئے۔

قربانی کا سنت یا مستحب ہونا امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام بخاری اور جمہور علماء سے صراحتاً ثابت ہے، جبکہ اس کا واجب ہونا نہ کسی صحابی سے ثابت ہے، نہ کسی تابعی سے ثابت ہے اور نہ امام ابوحنیفہ ہی سے ثابت ہے۔ وما علینا إلا البلاغ

(۱۰/ ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ بمطابق ۲۷/ اکتوبر ۲۰۱۲ء)

ابو عبداللہ شعیب محمد (سیالکوٹ)

اُصولِ حدیث اور بریلویت

احادیث نبویہ اور آثارِ سلف صالحین سے استدلال کے لئے ضروری ہے کہ وہ صحیح یا کم از کم حسن درجہ کی روایات ہوں۔ جو روایات تحقیق کے نتیجے میں ضعیف یا شاذ قرار پائیں، ان سے اجتناب ضروری ہے۔ اسی طرح بلا سند روایات کو بطور حجت پیش کرنا یا ان پر اپنے عقائد و اعمال کی بنیاد رکھنا، سوائے گمراہی و ضلالت کے کچھ نہیں۔

اہل بدعت و دشمنانِ اسلام کا بڑا ہتھیار یہی ضعیف و مردود روایات ہیں، جن کے سہارے وہ اہلِ ایمان کو شبہات میں مبتلا کرتے ہیں۔ فی الحال اس بارے میں تفصیلی دلائل بیان کرنا مقصود نہیں کیونکہ اس بارے میں اہل علم کی متعدد کتب و مضامین منصۂ شہود پر آچکے ہیں اور اُردو میں بھی اس پر کافی مواد موجود ہے۔

اس مضمون کا مقصد صرف یہ ہے کہ بریلوی علماء و محققین کی وہ تصریحات و عبارات پیش کر دی جائیں، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی روایت سے استدلال کے لئے جن اصولِ حدیث کو بنیاد بنایا جاتا ہے وہ ان حضرات کے ہاں بھی تسلیم شدہ ہیں۔ نیز کسی روایت کو اصولِ حدیث کے تحت ضعیف قرار دے کر اسے نا قابلِ حجت قرار دینا، ان کے ہاں بھی معتبر ہے۔ اس ضمن میں بریلوی کتب سے دیگر اصولِ حدیث کا تذکرہ بھی آجائے گا کہ جن سے نظریں چُرا کر بریلوی حضرات ضعیف و مردود روایات کو بھی گلے لگائے بیٹھے ہیں اور جس کے نتیجہ میں گمراہ کن عقائد و اعمال کا شکار ہیں۔

۱) سند کی اہمیت

بریلوی ''اعلیٰ حضرت'' احمد رضا خان قادری نے امام عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ کے ایک قول کے بارے میں لکھا:

''امام عبدالرشید بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہ اولیاء و علماء و محدثین و فقہاء سب کے امام

ہیں۔فرماتے ہیں:

لو لا الاسناد لقال فی الدین من شاء ما شاء

اگر سند کا سلسلہ نہ ہوتا تو جو شخص چاہتا دین میں اپنی مرضی کی بات کرتا پھرتا۔'' (احکام شریعت، حصہ اول، الجواب مسئلہ ۵۸، ص ۱۴۶، اکبر بک سیلرز لاہور، دوسرا نسخہ ص ۱۳۲، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی بھی دینی مسئلہ کی، بالخصوص روایات واحادیث میں اسناد کی حیثیت مسلّمہ ہے۔

۲۔ بریلویوں کے ''محقق عصر دوراں'' شاہ حسین گردیزی نے لکھا: ''متنِ حدیث کی صحت وضعف، سند واسناد پر موقوف ہے۔'' (الذنب فی القرآن ص ۲۹۴)

۲) بلاسند روایات قابلِ قبول نہیں

ا۔ احمد رضا خان بریلوی نے شاہ عبدالعزیز دہلوی کی ایک بات کو یاد رکھنے کے لائق قرار دیتے ہوئے بطورِ حجت لکھا:

''اہلسنت کے ہاں حدیث وہی معتبر ہے جو محدثین کی کتب احادیث میں صحت کے ساتھ ثابت ہو، ان کے ہاں بے سند حدیث ایسے ہی ہے جیسے بے مہار اونٹ، جو کہ ہرگز قابلِ سماعت نہیں۔(ت)'' (فتاویٰ رضویہ ج۵ ص ۵۸۵)

بریلوی اعلیٰ حضرت کی اس یاد رکھنے والی بات سے معلوم ہوا کہ کوئی بھی روایت محض اس لئے قبول نہیں کر لی جائے گی کہ وہ علماء ومحدثین کی کتب میں لکھی ہوئی ہے، بلکہ کسی معتبر کتاب میں ہونے کے باوجود ضروری ہے کہ وہ حدیث باسند ہو نیز وہ سند بھی صحت کے ساتھ ثابت ہو، ورنہ بے سند روایت تو اس قابل بھی نہیں کہ اسے سنا ہی جائے۔

۲۔ بریلوی ''عالم ومحقق علامہ'' محمد عباس رضوی نے ایک روایت کے بارے میں لکھا:

''ہرگز صحیح سند کے ساتھ مروی نہیں ہے اگر ہے تو اس کی سند بیان کریں کیونکہ سند کے بغیر تو کوئی روایت بھی قابل حجت نہیں ہوتی۔'' (مناظرے ہی مناظرے ص ۳۰۰)

۳۔ بریلویوں کے ''مناظر اسلام'' غلام مصطفیٰ نوری نے ایک واقعہ کے بارے میں لکھا:

''یہ سارا واقعہ ہی بے سند ہے جزء رفع یدین میں اس کی کوئی سند نہیں ہے، بے سند باتوں کا کیا اعتبار، البتہ سنن کبریٰ میں اس کی سند ہے لیکن اس کی سند میں کئی مجہول راوی ہیں...، تو ایسے مجہول راویوں اور بے سند روایات کو پیش کرنا کتنے تعجب کی بات ہے اور کہاں کا انصاف ہے۔'' (ترکِ رفع یدین ص ۴۳۸، مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

ایک اور جگہ مذکورہ نوری بریلوی نے کہا:

''امام بخاری علیہ الرحمہ نے اس اثر کی کوئی سند ذکر نہیں فرمائی...اگر اس کی سند ذکر کی ہوتی تو کچھ عرض کیا جاتا۔ بے سند باتوں کا کیا اعتبار ہے۔'' (ترکِ رفع یدین ص ۴۴۴)

غور وفکر کا مقام یہ ہے کہ جب امام المحدثین، امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ کی پیش کردہ کوئی روایت، کوئی اثر بلا سند قابلِ اعتبار نہیں تو اور کون ہے کہ جس کی پیش کردہ کسی بھی روایت کو بغیر سند کے ہی قبول کر لیا جائے؟

لہٰذا مختلف موضوعات پر بریلوی حضرات کی جانب سے محض علماء ومحدثین کے ناموں کا وزن ڈال کر ان کے حوالے سے بلا سند روایات کو بطورِ دلیل پیش کرنا، سوائے تحکم اور سینہ زوری کے کچھ بھی نہیں۔

۴) موضوع روایت کا حکم وبیان

۱۔ احمد رضا خان بریلوی نے لکھا:

''علماء تصریح فرماتے ہیں کہ حدیثِ موضوع کی روایت بے ذکرِ رَدّ وانکار ناجائز ہے۔''

(فتاویٰ رضویہ ج ۲۷ ص ۱۲۹)

۲۔ بریلویوں کے ''فقیہہ اعظم'' شریف الحق امجدی نے کہا:

''موضوع، یہ بالا جماع نہ قابل انجبار نہ کہیں لائق اعتبار حتیٰ کہ فضائل میں بھی بلکہ اسے حدیث کہنا بھی بطورِ مجاز ہے۔ حقیقت میں یہ حدیث ہی نہیں۔''

(نزہۃ القاری شرح بخاری بحوالہ ترکِ رفع یدین ص ۵۴)

۳۔ بریلوی مناظر ''محقق علامہ'' عباس رضوی نے ایک روایت کے بارے میں لکھا:

''یہ اثر صرف ضعیف ہی نہیں موضوع ہے اور موضوع کو بغیر یہ بتائے کہ یہ موضوع ہے بیان کرنا حرام ہے۔

ایسی موضوع روایات کو پیش کرتے ہوئے شرم آنی چاہئے۔''

(مناظرے ہی مناظرے ص ۳۰۷)

۴) ضعیف روایات قابل حجت نہیں

۱۔ بریلوی حضرات کے ''غزالی زماں'' احمد سعید کاظمی نے لکھا:

''دونوں روایتیں از روئے درایت و روایت صحیح نہیں اس لئے اس سے معارضہ کرنا باطل ہے۔'' (مقالات کاظمی ج ۱ ص ۱۴۸)

۲۔ بریلویوں کے مشہور ''شیخ الحدیث علامہ'' غلام رسول سعیدی نے ایک روایت کے بارے میں لکھا: ''اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور اس سے استدلال صحیح نہیں ہے۔''

(نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۱۳۶)

۳۔ بریلویوں کے ''مناظر اعظم وجنید زمان'' محمد عمر اچھروی نے کہا:

''یہ حدیث ضعیف ہے۔ حجت نہیں ہو سکتی۔'' (مقیاس النبوت ج ۱ ص ۱۸)

۴۔ بریلوی ''حکیم الامت'' احمد یار خان نعیمی کے صاحبزادہ و جانشین ''مفتی'' اقتدار احمد خان نعیمی نے لکھا: ''یہ روایت ضعیف ہے اور ضعیف روایت پر اعتماد نہیں ہوتا۔ نہ اُس سے دلیل پکڑنی جائز ہے۔'' (العطایا الاحمدیہ فی فتاویٰ نعیمیہ ج ۲ ص ۱۳۶)

۵۔ بریلوی ''اعلیٰ حضرت'' احمد رضا خان قادری نے ایک حدیث کے بارے میں کہا:

''یہ حدیث بھی لائق احتجاج نہیں۔

اولاً اس کی سند ضعیف ہے۔'' (فتاویٰ رضویہ ج ۲۲ ص ۲۷۹)

ان تمام بریلوی حوالہ جات سے بخوبی واضح و روشن ہے کہ ضعیف روایات ہرگز ہرگز قابل احتجاج نہیں اور نہ ان سے دلیل پکڑنی جائز ہے، لہٰذا اس تسلیم شدہ امر کے پیش نظر بریلوی ''حضرات'' کا اپنے موافق و مفید مطلب ضعیف روایات کو پیش کرنا اور ان سے

استدلال کرتے ہوئے اپنے عقائد ونظریات ثابت کرنا سعی لاحاصل ہے۔ان بریلوی ''حضرات'' سے گزارش ہے کہ ضعیف احادیث کے سہارے اپنے عقائد واعمال کو ثابت کرنے سے پہلے اپنے ہی علماء واکابرین کی اوپر پیش کردہ عبارات کے ساتھ ساتھ اپنے ''اعلیٰ حضرت'' کے اس فرمان کو بھی ہمیشہ مدِ نظر رکھیں:

''ضعیف حدیثیں جہاں قبول کی جاتی ہیں وہاں ان کے قبول کرنے میں راز یہ ہے کہ وہاں **ضعیف حدیثیں کسی غیر ثابت چیز کو ثابت نہیں کرتیں**'' (فتاویٰ رضویہ ج۲۹ ص۷۲۶)

معلوم ہوا کہ بریلوی ''اعلیٰ حضرت'' کا مانا ہوا اُصول، ضعیف احادیث کے بارے میں یہی ہے کہ ضعیف احادیث سے کوئی غیر ثابت چیز ہرگز ثابت نہیں کی جاسکتی، لہٰذا اس رضا خانی اصول کے پیشِ نظر بھی اپنے غیر ثابت عقائد واعمال کے لئے ضعیف ومردود روایات کو جمع کرنا محض بے فائدہ وبیکار ہے۔

فائدہ: ضعیف اور موضوع روایات کو پیش کر کے عوام کو دھوکا دینے والوں کی خدمت میں عرض ہے کہ بریلویوں کے ''جانشین حکیم الامت مفتی'' اقتدار احمد خان نعیمی نے لکھا:

''مگر مخالفِ اہل سنت اکثر اپنے استدلال میں ضعیف اقوال موضوع روایتیں اور غلط تاویلیں پیش کرنے کے سوا کچھ نہیں پاتے۔'' (العطایہ الاحمدیہ فی فتاویٰ نعیمیہ ج۲ ص۱۳۷)

چنانچہ ضعیف اور موضوع روایات پیش کرنے والے اس نکتہ کو بھی ہمیشہ ذہن میں رکھیں کہ یہ اہلسنت کا نہیں بلکہ مخالفینِ اہلسنت کا طریقہ ہے۔

۵) ضعیف روایات پر علماء ومحدثین کا اعتماد

ا۔ کسی عالم یا محدث کا محض کسی روایت کو اپنی کتاب میں درج کر دینا ہرگز اس بات کی دلیل نہیں کہ روایت کرنے والے کے نزدیک یہ صحیح بھی ہے یا اس کا عقیدہ ومذہب بھی اس کے مطابق ہے۔ چنانچہ بریلویوں کے مشہور پیر مہر علی شاہ گولڑوی نے لکھا ہے:

''اصحابِ روایت کے مدِ نظر فقط روایت کے سلسلے کو بیان کرنا ہے جو اُن کو ملا۔ اس روایت کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اُن کا مذہب بھی یہی ہے۔'' (سیفِ چشتیائی ص۱۱۲)

۲۔ پھر اگر علماء کا کسی روایت پر اعتماد کرنا ثابت بھی ہو تو بریلوی ''اعلیٰ حضرت'' احمد رضا خان قادری نے ایسی ایک روایت کے بارے میں کہا:

''اجلہ علماء نے اس پر اعتماد (کیا)... مگر تحقیق یہ ہے کہ وہ حدیث ثابت نہیں۔''

(ملفوظات، حصہ دوم ص ۲۲۰، فرید بک سٹال لاہور)

اس سے معلوم ہوا کہ کچھ علماء کا سہواً کسی حدیث کو صحیح قرار دے دینا یا اس پر اعتماد کر لینا اس حدیث کو صحیح نہیں بنا دیتا بلکہ عدم ثبوت کی صورت میں وہ غیر ثابت ہی قرار پائے گی۔

۳۔ کوئی امام یا محدث اگر کسی ایسی روایت کو حسن یا صحیح قرار دے جو تحقیق و اصولِ حدیث کی روشنی میں ضعیف قرار پائے تو ترجیح اصول و تحقیق کو ہو گی، چنانچہ بریلوی ''اعلیٰ حضرت'' احمد رضا خان بریلوی نے ایک روایت کے بارے میں لکھا:

''اس کی سند ضعیف ہے اگرچہ ترمذی نے اس کی تحسین کی اس میں ابو صالح باذام ہے''

(السنیۃ الانیقہ فی فتاویٰ افریقہ ص ۶۶)

معلوم ہوا کہ جو روایت اصول حدیث و تحقیق کی روشنی میں ضعیف قرار پائے اس روایت کو کسی امام یا محدث کا حسن قرار دینا کوئی قاعدہ و کلیہ نہیں، چنانچہ بریلویوں کے ''فاضل محدث'' عباس رضوی بریلوی نے لکھا:

''کسی کے ضعیف حدیث کو صحیح اور صحیح کو ضعیف حدیث کہہ دینے سے وہ ضعیف صحیح نہیں ہو جاتی'' (مناظرے ہی مناظرے ص ۲۹۲)

لہٰذا اختلاف کی صورت میں ترجیح اصول و تحقیق کو ہی ہو گی۔

لطیفہ: بریلوی علماء کی عام عادت ہے کہ جب ان کی پیش کی ہوئی روایات کو تحقیق و اصول حدیث کی روشنی میں بھی ضعیف ثابت کر دیا جائے تو محض عوام کو دھوکہ دینے کے لئے یہ شور کرتے ہیں کہ ''لو جی! وہابیوں نے اس حدیث کو بھی ضعیف کہہ دیا ہے جس کو بڑے بڑے محدثین نے صحیح یا حسن قرار دیا ہے۔''

ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ ان غیر تحقیقی اور دھوکا دہی پر مبنی باتوں کی علمی میدان میں

کوئی وقعت نہیں اور یہ کام تو خود بریلوی "اعلیٰ حضرت" سے بھی ثابت ہے کہ امام ترمذی کی حسن قرار دی ہوئی روایت کو ضعیف قرار دے دیا۔ مزید عرض یہ ہے کہ ضرورت پڑنے پر اور کسی کتاب کو تو چھوڑیئے، بریلوی اکابر ان کتابوں کی احادیث صحیحہ پر طعن کرنے اور انہیں ضعیف قرار دینے سے بھی باز نہیں آتے جن کی صحت پر امت مسلمہ کا اجماع ہے۔

چنانچہ بریلویوں کے "حکیم الامت" احمد یار خان نعیمی نے صحیح بخاری وصحیح مسلم کی ایک صحیح روایت کے بارے میں ایک دوسرے رسالے سے باتائید لکھا:

"چوتھے یہ کہ رسالہ آفتاب محمدی میں ہے کہ یہ حدیث ابن عمر سے چند اسنادوں سے مروی ہے اور وہ سخت ضعیف ہیں..." (جاء الحق، حصہ دوم، باب ۶ فصل ۲، جواب اعتراض نمبر ۶ ص ۴۵۹)

اسی طرح بریلویوں کے "جنید الزماں ومناظر اسلام" عمر اچھروی نے کہا:

"یہ حدیث شریف بخاری شریف میں تین مقامات پر موجود ہے۔ اور تینوں کے اسناد ضعیف ہیں۔" (مقیاس النبوت، حصہ اول ص ۱۷)

نوٹ: بریلویوں کے مصدقہ مستند عالم وفقیہ علامہ عینی حنفی نے کہا: مشرق ومغرب کے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ کتاب اللہ کے بعد بخاری ومسلم سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۵)

تنبیہ: درج بالا حوالہ جات میں احمد یار خان نعیمی بریلوی اور عمر اچھروی بریلوی نے صحیح بخاری وصحیح مسلم کی جن روایات کو ضعیف قرار دینے کی کوشش کی ہے وہ حقیقت میں بالکل صحیح ہیں۔

تفصیل کا موقع نہیں، مگر یہاں ان حوالہ جات کو پیش کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ جب بریلوی حضرات کا معیارِ تحقیق اس قدر بلند ہے کہ صحیح بخاری ومسلم کی روایاتِ صحیحہ بھی کہ جن کی صحت پر ایک عالَم جمع ہے، ضعیف قرار پا جاتی ہیں تو ان کے علاوہ اور کسی امام یا محدث کا کسی ضعیف روایت کو صحیح قرار دینا یا محض اپنی کتاب میں درج کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟

٦) بریلویوں کے تسلیم شدہ چند دیگر اصولِ تحقیق

١۔ احمد رضا خان بریلوی نے ''حدیثِ معلول'' کے متعلق لکھا:

''اُس کے لئے کچھ ضعفِ راوی ضرور نہیں بلکہ باوصف وثاقت وعدالت رواۃِ حدیث میں علت قادحہ ہوتی ہے کہ اس کا رَدّ واجب کرتی ہے جسے بخاری وابوداؤد وغیرہما جیسے ناقدین پہچانتے ہیں۔'' (فتاویٰ رضویہ ج۵ ص۲۰۶)

گویا کہ اگر کسی روایت کو امام بخاری وامام ابوداؤد یا ان جیسے نقاد محققین معلول قرار دے دیں تو اس کے لئے اس روایت میں کسی راوی کا ضعیف ہونا ضروری نہیں کیونکہ معلول روایت تو ہوتی وہ ہے کہ جو کسی ثقہ وثبت راوی کی غلطی یا کسی دیگر علت قادحہ کی بنا پر ضعیف قرار دی جاتی ہے اور اس علتِ قادحہ کو امام بخاری وامام ابوداؤد جیسے ماہرین فن پہچان لیتے ہیں اور اس روایت کو اس علت کی بنا پر ضعیف قرار دیتے ہیں۔

٢۔ احمد رضا خان بریلوی نے ''زیادتِ ثقہ'' کو قبول کرنے کے متعلق لکھا:

''جو ایک ثقہ راوی کا اضافہ ہے اور اس کا قبول کرنا واجب ہے۔''

(فتاویٰ رضویہ ج۲۸ ص۹۳)

اس بارے میں بریلوی ''محقق علامہ'' عباس رضوی بریلوی نے لکھا:

''اور ثقہ کا تفرد مضر نہیں۔'' (واللہ آپ زندہ ہیں ص۱۶۰)

معلوم ہوا کہ بریلوی حضرات کے نزدیک بھی ثقہ کا تفرد ہرگز مضر نہیں بلکہ ''زیادتِ ثقہ'' کو قبول کیا جائے گا۔

٣۔ بریلویوں کے ''فقیہ اعظم'' ابو یوسف محمد یوسف کوٹلوی نے لکھا:

''چنانچہ علم حدیث میں یہ بات مختار ہے کہ جب رفع اور وقف میں تعارض ہو تو رفع کو حکم ہوتا ہے۔'' (فقہ الفقیہ ص۲۵۴)

''جب ثقہ کسی حدیث کو مرفوع کرے تو وقف کرنے والے کا وقف مضر نہیں ہوتا۔''

(فقہ الفقیہ ص۲۵۵)

مراد یہ کہ اگر کسی حدیث کے بارے میں یہ اختلاف واقع ہو جائے کہ یہ حدیث مرفوع ہے یا موقوف تو اگر مرفوع بیان کرنے والا ثقہ ہے تو حکم مرفوع کا ہوگا۔

۴۔ مرسل کا حکم

مرسل روایت کے متعلق جمہور ائمہ ومحدثین کا موقف یہی ہے کہ ایسی روایت ضعیف ہوتی ہے اور ہرگز حجت نہیں۔

(تفصیلی حوالہ جات کے لئے دیکھئے فتاویٰ علمیہ: ۲/۲۹۰، از حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ)

مگر بریلوی علماء ومناظرین مرسل روایات کو صحیح قرار دے کر بطور حجت پیش کرتے ہیں۔ پھر اصولی بات یہ ہے کہ جب اپنے خلاف ایسی ہی مرسل روایات آجائیں تو پھر چاہئے کہ ان کو بھی مانا جائے لیکن اپنے موقف کے خلاف آنے پر بریلوی علماء مرسل کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔

۱: بریلویوں کے ایک اور ''محقق دوراں'' شاہ حسین گردیزی نے لکھا:

''اور کسی روایت کا مرسل ہونا اس کا سقم ہے... اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ حنفیہ کے ہاں مرسل مقبول ہوتی ہے تو عقائد ونظریات میں حنفیہ اس سے استدلال نہیں کرتے''

(الذنب فی القرآن ص ۶۱۹)

۲: بریلویوں کے ''جانشین حکیم الامت مفتی'' اقتدار احمد نعیمی نے عقائد ونظریات کے علاوہ احکام سے متعلقہ ایک روایت کے بارے میں بھی لکھا:

''اور مرسل روایت (بدیں وجہ کہ مشکوک ہوتی ہے) اس لیئے وہ دلیل نہیں بن سکتی۔''

(العطایا الاحمدیہ فی فتاویٰ نعیمیہ ج ۱ ص ۲۱۸)

نیز مزید واضح الفاظ میں لکھا: ''اور مرسل روایت ضعیف ہوتی ہے۔ امام شافعی اور جمہور محدثین اس سے دلیل پکڑنا منع کرتے ہیں۔'' (العطایا الاحمدیہ فی فتاویٰ نعیمیہ ج ۱ ص ۲۱۸)

۳: یہ بات تو بریلوی مقلدین کے ''امام'' احمد رضا خان قادری کو بھی تسلیم ہے کہ

''اور محدثین کا کلام ان کے اپنے اصول پر جاری ہے کہ مرسل حدیثیں اور اہل تدلیس کا

عنعنہ مطلقاً نامقبول ہے۔" (فتاویٰ رضویہ ج۱ص۵۴۵)

۵۔ مدلس کی معنعن روایت کا حکم

۱: احمد رضا خان بریلوی نے لکھا:

"اور عنعنہ مدلس اصولِ محدثین پر نامقبول۔" (فتاویٰ رضویہ ج۵ص۲۶۶)

ایک جگہ بریلوی "اعلیٰ حضرت" نے لکھا: "اور عنعنہ مدلس جمہور محدثین کے مذہب مختار و معتمد میں مردود ونامستند ہے۔" (فتاویٰ رضویہ ج۵ص۲۴۵)

مزید ایک اور جگہ لکھا: "اور مدلس کا عنعنہ محدثین قبول نہیں کرتے۔"

(فتاویٰ رضویہ ج۲۹ص۱۲۶)

۲: بریلویوں کے "فقیہ اعظم" ابو یوسف محمد شریف کوٹلوی نے لکھا:

"مدلس کی معنعن قابل حجت نہیں۔" (فقہ الفقیہ ص۱۳۰)

۳: بریلوی "علامہ مفتی" شاہ حسین گردیزی نے لکھا:

"یعنی علماء حدیث اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ مدلس جس روایت کو "عن" سے روایت کرے گا اسے ردّ کر دیا جائے یعنی اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔"

(الذنب فی القرآن ص۶۱۰۔۶۱۱)

ایک اور جگہ لکھا: "اور مدلس کی عنعنہ کے غیر مقبول ہونے پر علماء اصول حدیث کا اجماع ہے۔" (الذنب فی القرآن ص۶۲۱)

۴: عباس رضوی بریلوی نے لکھا:

"اور راوی جو کہ مدلس ہو اگر وہ عن سے روایت کرے تو بالاتفاق مردود ہے۔"

(مناظرے ہی مناظرے ص۱۸)

ایک اور جگہ لکھا: "اور مدلس راوی جب "عن" سے روایت کرے تو وہ بالاتفاق مردود ہو گی۔" (آپ زندہ ہیں واللہ ص۳۶۸)

۵: بریلوی "عالم" ومناظر غلام مصطفیٰ نوری نے لکھا:

''یہ طے شدہ قاعدہ ہے کہ مدلس جب عن سے روایت کرے تو اس کی روایت حجت نہیں ہوتی۔'' (ترک رفع یدین ص ۳۳۶)

۷) طبقہ ثانیہ کے مدلسین اور بریلوی علماء

اوپر پیش کئے گئے حوالہ جات سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ بریلوی علماء واکابرین مدلسین کی معنعن روایات کو ضعیف قرار دیتے ہیں اور بالکل حجت نہیں سمجھتے۔ مگر کچھ چالاک قسم کے بریلوی، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کے مقرر کردہ طبقہ ثانیہ وثالثہ کی بحث چھیڑ کر یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کے ہاں طبقہ ثانیہ کے مدلسین کی معنعن روایات حجت ہیں۔ لہٰذا اب ذیل میں وہ حوالہ جات پیش خدمت ہیں جن سے یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ بریلوی علماء طبقہ ثانیہ کے مدلسین کی معنعن روایات کو بھی ضعیف قرار دیتے ہیں اور حجت تسلیم نہیں کرتے۔

۱۔ حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ نے سفیان ثوری رحمہ اللہ کو مدلسین کے طبقہ ثانیہ میں ذکر کیا ہے۔ (دیکھئے طبقات المدلسین: ۲/۵۱، الفتح المبین ص ۳۹)

بریلوی ''اعلیٰ حضرت'' کے خلیفہ مجاز محمد شریف کوٹلوی نے لکھا:

''اور سفیان کی روایت میں تدلیس کا شبہ ہے۔'' (فقہ الفقیہ ص ۱۳۴)

بریلوی عالم ومحقق عباس رضوی بریلوی نے ایک روایت پر تنقید کرتے ہوئے لکھا:

''یعنی سفیان مدلس ہے اور یہ روایت انہوں نے عاصم بن کلیب سے عن کے ساتھ کی ہے اور اصول محدثین کے تحت مدلس کا عنعنہ غیر مقبول ہے'' (مناظرے ہی مناظرے ص ۲۴۹)

فائدہ: بریلویوں کے ''امام'' احمد رضا خان قادری نے لکھا:

''رہا معاملہ سفیان ثوری کا تو وہ باوجود علمی وسعت اور ورع وتقویٰ کے نرمی کرتے ہوئے رخصت دیتے اور ضعفاء سے روایت کرتے ہیں ان کے شاگرد شعبہ نے کہا ہے کہ ثوری سے روایت نہ لو مگر ان لوگوں کے حوالے سے جن کو تم جانتے ہو کیونکہ وہ پرواہ نہیں کرتے کہ وہ کس سے حدیث اخذ کر رہے ہیں...'' (فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۶۱۱)

۲۔ سلیمان الاعمش رحمہ اللہ کو حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ نے طبقات المدلسین میں طبقہ ثانیہ کے مدلسین میں ذکر کیا ہے۔ (دیکھئے طبقات المدلسین: ۲/۵۵، الفتح المبین ص ۴۲)

مگر عباس رضوی بریلوی نے ایک روایت پر تنقید کرتے ہوئے صاف لکھا:

''ایک راوی امام اعمش ہیں جو کہ اگرچہ بہت بڑے امام ہیں لیکن مدلس ہیں اور مدلس راوی جب عن: سے روایت کرے تو اس کی روایت بالاتفاق مردود ہوگی۔''

(آپ زندہ ہیں واللہ ص ۲۵۱)

مزے کی بات یہ ہے کہ بریلوی مناظر عباس رضوی صاحب نے اس کے فوراً بعد اعمش کے مدلس ہونے پر بنیادی حوالہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی ''طبقات المدلسین'' سے ہی دیا ہے۔ جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ان کے نزدیک بھی حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کے طبقاتِ مدلسین کوئی اصول و قاعدہ نہیں بلکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے طبقہ ثانیہ کے مدلس کی روایت بھی ضعیف اور مردود ہے۔

مشہور بریلوی عالم و محقق عبدالحکیم شرف قادری نے اپنے ''مناظر اہلسنت'' عباس رضوی کے بارے میں لکھا: ''وسیع النظر عدیم النظیر فاضل محدث'' (آپ زندہ ہیں واللہ ص ۲۵)

۳۔ شریک بن عبداللہ القاضی کو بھی حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے مدلسین کے طبقہ ثانیہ میں ذکر کیا ہے۔ (دیکھئے طبقات المدلسین: ۲/۵۶، الفتح المبین ص ۴۳)

مگر ان کے متعلق احمد رضا خان بریلوی نے ایک روایت پر اعتراض کرتے ہوئے بطور دلیل لکھا:

''تہذیب التہذیب میں کہا کہ عبدالحق اشبیلی نے فرمایا: وہ تدلیس کیا کرتا تھا۔ اور ابن القطان نے فرمایا: وہ تدلیس میں مشہور تھا اھ۔'' (فتاویٰ رضویہ ج ۲۴ ص ۲۳۹)

معلوم ہوا کہ بریلوی ''اعلیٰ حضرت'' کے نزدیک بھی طبقہ ثانیہ کے مدلس کی روایت حجت نہیں بلکہ طعن والی ناقابلِ قبول روایت ہے۔

[ختم شد]

نوید شوکت (ڈربی، برطانیہ)

اشرف آصف جلالی اور ضعیف قصہ

الحمد للّٰہ ربّ العالمین والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ رسولہ الأمین، أما بعد:

''ڈاکٹر'' اشرف آصف جلالی صاحب اپنے گمراہ کن عقائد کو ثابت کرنے کے لئے ضعیف، مردود اور غیر ثابت قصے کہانیاں اور روایات بیان کرتے رہتے ہیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے عقیدۂ توحید سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے ورقہ بن نوفل کا واقعہ بیان کر کے اپنے باطل عقائد کو ثابت کرنے کی کوشش کی۔ جلالی صاحب نے النہایہ سے یہ واقعہ بیان کیا ہے: ''ورقہ بن نوفل بلال رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے جب ان کو تکلیف دی جاتی تھی، پس انھوں (ورقہ بن نوفل) نے کہا: اللہ کی قسم! اگر تم نے اس (بلال رضی اللہ عنہ) کو شہید کر دیا تو میں اس کی قبر کو حنان بناؤں گا۔ ابن الاثیر نے حنان کا مطلب بیان کیا: رحمت، مہربانی، رزق اور برکت۔ اس (ورقہ) نے ارادہ کیا کہ میں اس کی قبر کو حنان کی جگہ بناؤں گا یعنی اللہ کی رحمت کا گہوارہ، میں اس کو چھوؤں گا بطور تبرک جس طرح چھوا جاتا تھا اگلی امتوں کے صالحین کی قبروں کو جن کو شہید کیا گیا، اللہ کی راہ میں بس یہ لوگوں کے ہاں تمھارے لیے عار اور گالی بن جائے گا۔

جلالی صاحب نے کہا: یہ پندرھویں صدی کے ملنگوں کی بات نہیں، توحید کے پرستاروں کی بات ہے۔ جب بلال اذان توحید دے رہے تھے اور ورقہ حمایت کر رہے تھے۔ اے مکہ کے مشرکو! ورقہ توحید پرست تمھیں دھمکی دے رہا ہے۔ اگر تم نے جرمِ محبت میں حضرت بلال کو شہید کر دیا تو بلال کی قبر پر بھی عاشقوں کا ہجوم رہے گا، اب یہ دھمکی ہے کہتے ہیں: میں ان کی قبر کو حنان بناؤں گا۔ حنان کا معنی کیا، جیسے پہلی امتوں کے شہیدوں کی قبروں پر رش رہتا تھا اور ان سے تبرک حاصل کیا جاتا تھا ایسے بلال بھی ہوں گے۔ ان کی قبر پر بھی ہجوم ہوگا۔ اگر یہ شہید کر دیئے تم نے تو میں ان کی قبر کو ہاتھ لگا کر چوموں گا میرا چومنا تم کو گالی لگے گا

میرے چومنے سے تم شرماؤ گے جب بلال کی قبر کی میں تعظیم کروں گا تو اس سے تم شرم میں ڈوب جاؤ گے۔ یہ تمھارے لیے گالی بن جائے گا۔ لاہور کی سرزمین پر حضرت ورقہ کی نیابت میں میں کہتا ہوں: اے جعلی توحید پرستو میں داتا کی قبر پر حاضری دوں گا۔ آج تم شرم سے ڈوب جاؤ گے۔ دیکھو یہ میری چھپی ہوئی کتاب نہیں یہ میری لکھی ہوئی کتاب نہیں یہ چھٹی صدی کے امام کی کتاب ہے۔ یہ بات حضرت ورقہ بن نوفل کی توحید پرست زبان سے نکلی ہوئی بات ہے۔"

آخر میں کہتے ہیں: "یہاں یہ ایک وضاحت کی بھی ضرورت ہے شاید کسی کے ذہن میں آ رہا ہو کہ بخاری کی حدیث میں ہے کہ حضرت ورقہ کا جلد وصال ہو گیا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کلمہ بعد میں پڑھا۔ یہ میرے پاس فتح الباری شرح صحیح البخاری موجود ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے ماخذ میں بھی اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ فتح الباری میں باقاعدہ لکھا ہے کہ سیرت ابن اسحاق میں ہے اور باقاعدہ انھوں نے سوال کر کے جواب دیا کہ و فتر الوحی میں واؤ ترتیب کے لیے نہیں ہے اور شاید راوی کو آخری بات یہی یاد ہے۔ حضرت ورقہ کی وحی کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو ہوتی تھی اس کے بعد راوی کو پتا نہیں کہ حضرت ورقہ کتنی دیر زندہ رہے یا ان کا وصال ہو گیا تو اس صورت حال پر امام ابن حجر نے واضح طور پر اس کی شرح کے اندر لکھا کہ حضرت ورقہ کو اس زمانے میں زندہ ماننا جب حضرت بلال توحید کی اذانیں دے رہے تھے یہ دور از تحقیق نہیں مگر راوی کے علم میں نہیں۔ میں نے یہ وضاحت اس لیے کر دی تاکہ کل کو کوئی یہ نہ کہے کہ تمھیں تو تاریخ کا ہی پتا نہیں ورقہ کب تھے اور بلال کب تھے۔ باقاعدہ ان محققین نے اس کے جواز پر تشریح کی ہے اور میں یہ وضاحت کر رہا ہوں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس امت کے اولین پرستاروں میں سے ہیں اور حضرت ورقہ اس وقت توحید پرست ہیں اور لوگوں کو بتا رہے ہیں کہ اگر بلال کو شہید کر دیا گیا تو میں بلال کی قبر سے تبرک لے کر تمھیں بتاؤں گا کہ قبروں سے تبرک لینے والے مشرک نہیں توحید پرست ہوتے ہیں۔" (انتھی کلامہ)

جلالی کی لفاظی کے علاوہ یہ قصہ مختلف کتابوں میں موجود ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱: محمد بن اسحاق بن یسار نے اس کو اپنی سیرت میں اس طرح روایت کیا ہے:

قال حدثني هشام بن عروة عن أبيه قال: كان ورقة بن نوفل .. إلخ

(ج۱ص۲۲۷)

۲: حلیۃ الاولیاء میں اس کی سند اس طرح ہے: عن محمد بن إسحاق قال: حدثني هشام بن عروة بن الزبير عن أبيه . إلخ (ج۱ص۱۴۷۔۱۴۸)

۳: اس کے علاوہ الکامل لابن الاثیر میں بغیر سند کے یہ قصہ موجود ہے۔ (ج۱ص۵۸۹)

۴: سیرت ابن ہشام میں ابن اسحاق کی سند سے مذکور ہے۔ (ج۱ص۳۴۰)

۵: البدایہ والنہایہ لابن کثیر (ج۳ص۵۷)

مراجع مذکورہ میں اس قصے کا اصل ماخذ سیرت ابن اسحاق ہے باقی جتنی کتابوں میں ہے، سب نے سیرت ابن اسحاق سے ہی نقل کیا ہے۔

اس روایت کو محمد بن اسحاق کے علاوہ امام لیث بن سعد المصری نے بھی ہشام بن عروہ عن ابیہ کی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (عیون الاثر لابن سید الناس ۱/۱۱۴)

نیز عبدالرحمٰن بن ابی الزناد نے بھی عروہ بن الزبیر رحمہ اللہ سے بیان کیا ہے۔

(زبیر بن بکار، بحوالہ الاصابہ لابن حجر ۳/۶۳۴ ت ۹۱۳۱)

یہ روایت اپنی تینوں سندوں کے ساتھ منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کو بیان کرنے والے عروہ بن زبیر (م ۹۴ھ) ہیں جو ورقہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں دنیا میں موجود ہی نہیں تھے، بلکہ یہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں پیدا ہوئے تھے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۴۵۱۱)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہادتِ عمر رضی اللہ عنہ کے بعد یعنی ۲۳ ہجری میں خلیفہ ہوئے تھے اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ شہادتِ عمر سے پہلے ۲۰ ہجری یا اس سے پہلے ملک شام میں فوت ہو گئے تھے، لہٰذا عروہ رحمہ اللہ کی سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے روایت بھی منقطع ہے۔

ثابت ہوا کہ یہ روایت منقطع ہے اور منقطع روایت بالاتفاق ضعیف ہوتی ہے۔

طحاوی حنفی نے امام ابوحنیفہ وغیرہ سے ایک حدیث کی مخالفت نقل کر کے لکھا ہے:

" وكان الحجة لهم في ذلك ان هذا الحديث منقطع. " اور ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے۔ (شرح معانی الآثار ۲/۱۶۴، باب الرجل یسلم فی دار الحرب وعندہ اکثر من اربع نسوۃ)

یعنی طحاوی کے نزدیک امام ابوحنیفہ منقطع کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔

حافظ ذہبی نے بھی لکھا ہے: " فلا عبرة بالقول المنقطع"

منقطع قول کا کوئی اعتبار نہیں۔ (میزان الاعتدال ۳/۴۱۶، کہمس بن الحسن)

ڈاکٹر محمود الطحان نے لکھا ہے:" المنقطع ضعيف باجماع العلماء لفقده شرطًا من شروط القبول وهو اتصال السند و للجهل بحال الراوي المحذوف. "

علماء کا اجماع ہے کہ منقطع ضعیف ہے کیونکہ صحیح حدیث کی ایک شرط: اتصالِ سند اس میں مفقود ہے اور حذف شدہ راوی کا حال بھی معلوم نہیں۔ (تیسیر مصطلح الحدیث ص ۶۵)

حافظ ابن حجر اور غلام رسول سعیدی (نعمۃ الباری ۱/ ۱۳۸) وغیرہما کا اس منقطع روایت کو "مرسل جید" قرار دینا اصولِ حدیث کی رُو سے غلط ہے۔

جب یہ روایت ہی ضعیف ہے اور اس کا ضعیف ہونا اصولِ حدیث کی رُو سے ثابت کر دیا گیا ہے تو حافظ ابن اثیر کی تشریحِ حنان اور حافظ ابن حجر کی عبارتِ فتح الباری کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی، لہٰذا اس پر بحث کرنا کہ سیدنا ورقہ سیدنا بلال کے اسلام لانے کے وقت زندہ تھے یا نہیں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

نیز یہ ضعیف روایت سیدہ عائشہ صدیقہ ﷺ کے ثابت شدہ درج ذیل صحیح قول کے خلاف ہے:

" ثم لم ينشب ورقة أن توفي و فتر الوحي " پھر اس کے بعد ورقہ زیادہ دن زندہ نہ رہے (یعنی جلدی فوت ہو گئے) اور وحی کا نزول رُک گیا۔ (صحیح بخاری: ۳، ۳۹۵۳، ۶۹۸۲)

سیدہ عائشہ ﷺ کا یہ قول درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

مصنف عبد الرزاق(۵/۳۲۲ ح ۹۷۱۹، دوسرا نسخہ : ۹۷۸۲) مسند احمد (۶/ ۲۳۳ ح۲۵۹۵۹) صحیح ابن حبان (الاحسان:۴۳) صحیح ابی عوانہ (۱/ ۱۱۱ ح۳۴۵) کتاب الایمان لابن مندہ (۶۸۳) دلائل النبوۃ للبیہقی (۲/ ۱۳۷) شرح السنۃ للبغوی (۱۳/ ۳۱۸ ح۳۷۳۵ وقال: ھذا حدیث متفق علیٰ صحتہ) وغیر ذلک

یہ قول بہت سی کتابوں میں ہے اور اسے راوی کا قول کہہ کر رد نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے اور اس صحیح و ثابت قول کے مقابلے میں ہزار منقطع و مرسل روایتیں بھی مردود ہیں، چاہے انھیں کسی نے مرسل جید ہی کیوں نہ کہہ رکھا ہو۔

جلالی صاحب اور فرقہ بریلویہ سے گزارش ہے کہ وہ اس روایت کی سند کو صحیح ثابت کریں، پھر اس پر اپنے استدلال کی بنیاد رکھیں اور سیمیناروں میں بیان کرتے پھریں اور اگر ثابت نہ کر سکیں تو پھر اپنے گمراہ کن عقائد کے جواز کے لیے ایسی ضعیف روایات بیان کرنا چھوڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن و سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

جلالی کی ان ضعیف روایات کے مقابلے میں سلف صالحین نبی کریم ﷺ کی قبر کو کسی بھی غرض سے چھونا پسند نہیں کرتے تھے، جیسا کہ نافع رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی قبر کو چھونا ناپسند کرتے تھے۔

(جزء محمد بن عاصم الثقفی: ۲۷ و سندہ حسن)

اس سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کی قبر کو بطورِ تبرک یا کسی اور غرض سے چھونا پسند نہیں کرتے تھے۔

نیز سلف صالحین یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک سے بھی باسند صحیح ثابت نہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی قبر کو تبرک یا کسی اور غرض سے چھوا ہو۔

لہٰذا ضعیف اور موضوع روایات کے ذریعے سے قبر پرستی کو فروغ دینا اور وہاں میلے لگانا کسی طرح بھی درست نہیں۔

[ختم شد]

ابو معاذ

امام عبدالرزاق اور فضیلتِ شیخین رضی اللہ عنہما

مصنّف عبدالرزاق اور تفسیر عبدالرزاق کے مصنّف امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی الیمنی رحمہ اللہ (م ۲۱۱ھ) نے فرمایا:

"واللّٰه !ما انشرح صدري قط أن أفضّل علياً على أبي بكر وعمر، رحم اللّٰه أبابكر ورحم اللّٰه عمر، ورحم اللّٰه عثمان ورحم اللّٰه علياً ومن لم يحبهم فما هو بمؤمن فإن أوثق عملي حبي إياهم رضوان اللّٰه عليهم ورحمته أجمعين "

اللہ کی قسم! میرے دل میں کبھی علی کو ابوبکر اور عمر پر فضیلت دینے پر اطمینان نہیں ہوا، اللہ ابوبکر پر رحم کرے، اللہ عمر پر رحم کرے، اللہ عثمان پر رحم کرے، اللہ علی پر رحم کرے اور جو اِن سب سے محبت نہیں کرتا وہ مومن نہیں ۔ میرا سب سے مضبوط عمل یہ ہے کہ میں ان سے محبت کرتا ہوں، اللہ ان سے راضی ہو اور ان سب پر اللہ کی رحمت ہو ۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر ۳۸/۱۳۰، وسندہ صحیح، کتاب العلل و معرفۃ الرجال لعبداللہ بن احمد بن حنبل ۱/۲۵۶ ح ۱۴۶۵، وسندہ صحیح)

اس سنہری قول سے معلوم ہوا کہ امام عبدالرزاق (اثنا عشری جعفری) شیعہ نہیں تھے بلکہ انھوں نے تشیع یسیر سے بھی رجوع کر لیا تھا کیونکہ اس قول میں وہ چاروں خلفائے راشدین کی ترتیب اور اُن سے محبت کے قائل ہیں ۔

جو شخص اس سنہری قول کے باوجود عبدالرزاق کو شیعہ شیعہ کہنے کی رَٹ لگاتا ہے اس کا علاج کسی دماغی ہسپتال سے کرانا چاہئے ۔

نیز امام عبدالرزاق نے مزید فرمایا: میں شیخین (سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کی فضیلت کا قائل ہوں کیونکہ (سیدنا) علی رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنے آپ پر فضیلت دی ہے ۔ الخ

(الکامل لابن عدی ۵/۱۹۴۹، وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ۶/۵۴۰)

تفصیل کے لئے دیکھئے تحقیقی مقالات (ج ۱ ص ۴۰۹ ۔ ۴۱۱)